ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

نومبر ۱۹۸۵ء

نونہال
ہمدرد گرائپ واٹر

بچوں کی صحت
بہتر پرورش

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر بچّوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

نونہال
ہمدرد گرائپ واٹر

بچّوں کو مطمئن، مسرور اور صحّت مند رکھتا ہے

گولڈ فِش
5
اسٹار بال پن
قومی مصنوعات
بین الاقوامی صِفات
• سُبک رو • آسان گرفت • زیادہ روشنائی
• نہایت دیدہ زیب • پائیداری میں بے مثال
گولڈ فِش 5 اسٹار بال پن
جدید تقاضوں کے لیے جدید بال پن
Goldfish 5 STAR
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی-۸۸، سائٹ، منگھوپیر، روڈ، کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱-۲۹۳۴۵۲
Midas Khi

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

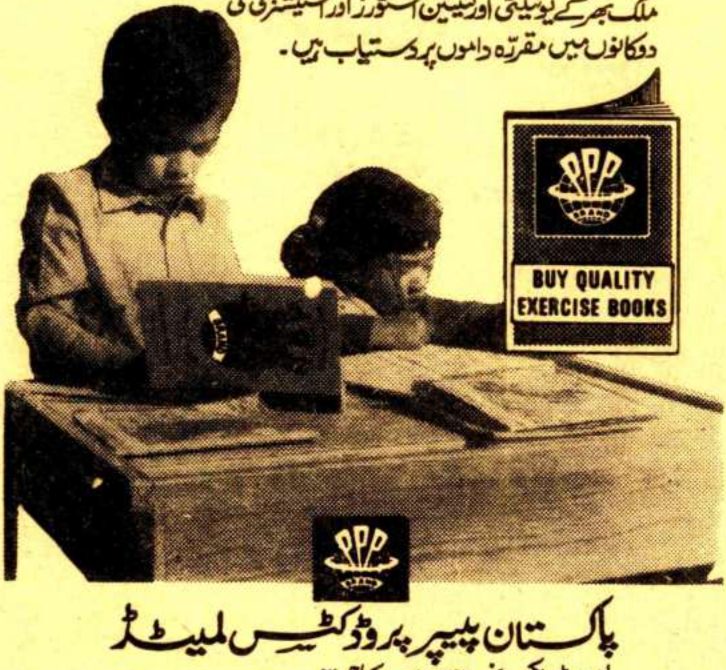

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

ٹیلیفون 616001 تا 616005

ہمدرد
نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس ○ حکیم محمد سعید

مدیر اعلا ○ مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی ○ سعدیہ راشد

صفر ـــــ ۱۴۰۶ ہجری
نومبر ـــــ ۱۹۸۵ عیسوی
جلد ـــــ ۳۳
شمارہ ـــــ ۱۱

قیمت ـــــ ۴/۰۰ روپے
سالانہ ـــــ ۴۵/۰۰ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) ـ ۸۱/- روپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد سنٹر۔ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۶
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۷
گلاب کا پھول (نظم)	محترمہ وحیدہ نسیم	۸
ایک عجیب و غریب پلنگ	جناب علی اسد	۹
وقت (نظم)	جناب ولی ہاشمی	۱۸
تحفے	باذوق نونہال	۱۹
فیصلے کی قوت	جناب مناظر صدیقی	۲۳
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۹
مُنا (نظم)	جناب سرور بجنوری	۳۲
ماں	جناب اے۔ حمید	۳۳
مٹاپا بھی اچھی چیز ہے	جناب یوسف ناظم	۳۷
کارٹون	جناب مشتاق	۴۳
اچھی چڑیا	جناب شاکرہ عثمانی	۴۴
کرکٹ کے بارے میں....	جناب ساجد علی ساجد	۵۰
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۵۶
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۸
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۶۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۶۲
معلوماتِ عامہ ۲۳۵	ادارہ	۶۴
دھنیے کی کہانی	ادارہ	۶۵
بزم ہمدرد نونہال	جناب شہزاد منظر	۷۵
مسکراتے رہیو	ننھے مزاح نگار	۸۷
حلقوں والا سیارہ	ادارہ	۹۱
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۹۳
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۱۱۳

■ بزم نونہال : ۱۱۴ ■ معلوماتِ عامہ ۲۳۳ کے جوابات : ۱۲۰

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہو گا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد، ناظم آباد، کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

ایک انسان کے عمل کا دوسرے انسانوں پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ کہاوت ہے کہ "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔" مطلب یہ ہے کہ آدمی کو دیکھ کر آدمی ڈھنگ بدلتا ہے۔ صحبت کا اثر بہت ہوتا ہے۔ اچھی صحبت سے آدمی اچھے طور طریقے اختیار کرتا ہے اور بُری صحبت میں بیٹھنے والا خود بھی بُری عادتیں اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے اچھے آدمی بُری صحبت سے بچتے ہیں اور اگر اُن کو بُرے آدمیوں سے واسطہ پڑ ہی جائے تو وہ اُن جیسے بننے کے بجائے ان کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کم زور طبیعت کے آدمی خراب آدمیوں کی باتوں اور ان کے کاموں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور خود بھی ان کے نمونے پر چلنے لگتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی تو ایسا کرتا ہے ہم بھی اس کا طریقہ کیوں نہ اختیار کریں، لیکن یہ عقل مندی نہیں ہے۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اچھے عمل کریں اور دوسروں کو بھی اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ دھوکا دینا بہت بُری بات ہے۔ اگر کوئی آدمی دھوکے باز ہے تو ہمیں اس کی مثال پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس نے ہمیں دھوکا دیا اور اس کے جواب میں ہم بھی دھوکا دینے لگیں تو ہم بھی اس جیسے ہی ہو گئے، یعنی ہم نے بھی دھوکے بازی اختیار کر لی۔ پھر اس میں اور ہم میں فرق ہی کیا رہا۔ بے شک ہمیں اس کے دھوکے سے بچنا چاہیے۔ کوشش کرنا چاہیے کہ ہم آیندہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، لیکن خود کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیے، ورنہ کچھ دن میں ہم بھی دھوکے باز مشہور ہو جائیں گے۔

اچھے لوگوں کے راستے پر چلنے سے اچھا نتیجہ نکلے گا، اچھا نمونہ قائم ہوگا۔ دوسرے لوگ بھی اچھائی اور نیکی کی طرف مائل ہوں گے اور آہستہ آہستہ اچھے لوگوں کی اکثریت ہو جائے گی۔

تمھارا دوست اور ہمدرد **حکیم محمد سعید**

مسعود احمد برکاتی

پہلی بات

خاص نمبر کے بعد آپ اکتوبر ۸۵ء کا شمارہ بھی پڑھ چکے ہیں، لیکن ہم ابھی تک خاص نمبر کے اثرات سے نہیں نکل سکے ہیں۔ دونوں انعامی سلسلوں کی بھرمار ہے۔ ماشاءاللہ۔ بیس انعامی سوالات ہزاروں کی تعداد میں آتے۔ ان سب کو جانچا، اندازہ ہوا کہ اس بار نونہالوں نے بڑی محنت کی ہے اور خاصی تلاش اور تحقیق کے بعد جوابات لکھے ہیں، اسی لیے انعام پانے والوں کی تعداد بھی اچھی رہی اور ہمیں انعام کی رقم بھی تھوڑی سی بڑھانی پڑی۔ ۱۶ سے ۱۹ تک صحیح جوابات لکھنے والوں کی تعداد تو بہت ہے۔ ہم اُن کو مبارک باد دیتے ہیں۔ جن کے ۱۶ جواب بھی صحیح نہ آسکے اُن کو بد دل نہیں ہونا چاہیے اور معلومات بڑھانے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ اس مہینے رسالے میں ۱۶ صفحات کا اضافہ بھی کیا گیا، تاکہ معلوماتِ عامہ کے جوابات اور ناموں نے جو جگہ لی ہے اس کی وجہ سے کہانیاں اور معلومات کم نہ ہوں۔

انعامی کہانیاں بھی بہت ساری آئی ہیں۔ ہماری توقع سے بھی زیادہ۔ ظاہر ہے کہ انعامی کہانی کا فیصلہ کرنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ فیصلہ صحیح ہو منصفین کہانیاں پڑھنے میں مصروف ہیں۔ ان شاءاللہ آیندہ شمارے میں انعام پانے والوں کے ناموں کا اعلان کر دیا جائے گا۔

مستقل پڑھنے والوں کے علمی تحفے کا کوپن دسمبر تک شائع ہوگا۔ جو نونہال یہ کوپن جمع کر رہے ہیں وہ ابھی سے ہمیں ایک کارڈ پر اس کتاب کا نام لکھ کر بھیج دیں جو وہ منگوانا چاہتے ہیں۔ البتہ کوپن دسمبر میں بھیجیں جب ۱۲ کوپن پورے ہو جائیں۔ پہلے سے نام ہم اس لیے معلوم کر رہے ہیں تاکہ ہم وہ کتابیں تیار کرالیں۔ کتاب کا نام اور اپنا نام پتا بارہ کوپنوں کے علاوہ ایک کاغذ پر بھی صاف لکھ کر دسمبر کے پہلے ہفتے میں بھیجیں۔

سرور بجنوری صاحب کی نظمیں آپ پڑھتے رہے ہیں۔ اس شمارے میں بھی ان کی ایک نظم "مُنّا" شامل ہے۔ ہمیں یہ معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا کہ سُرور صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ افسوس، بڑے اچھے انسان اور شاعر تھے۔ انھوں نے بڑوں کے علاوہ بچّوں کے لیے بھی شاعری کی۔ بچّوں کے لیے لکھنے والے بڑی قدر اور عزت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

خیال کے پھول

• حضور اکرمؐ: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے، خدا کی راہ میں ہے۔ مرسلہ: نسرین ایوب، کراچی

• حضرت علیؓ: پریشانی میں پریشان ہونا پریشانی سے زیادہ بُرا ہوتا ہے۔

مرسلہ: محمد آفتاب رفیق، تحصیل سمندری

• جبران خلیل جبران: روشنی سے آنکھیں چار کرنے کے لیے پھول ہمیشہ اوپر کی جانب نظر رکھتا ہے، اپنے سائے کو نہیں دیکھتا۔ یہ وہ نکتہ ہے جو انسان نہیں سمجھتا۔ مرسلہ: پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

• تُلسی داس: سب سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ، نہ جانے کس بھیس میں خدا مِل جائے۔

• جان رسکن: عدل کیا ہے؟ درختوں کو پانی دینا، ظلم کیا ہے؟ کانٹوں کی آب یاری کرنا۔

مرسلہ: شازیہ ایوب، اٹک

• جارج برنارڈ شا: زندگی ایک ہیرا ہے، جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔ مرسلہ: نوید الحق، کراچی

• ابنِ عربی: سب سے اعلا اخلاق یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو آرام اور راحت پہنچائی جائے۔

مرسلہ: سلیم انور عباسی، نئی کراچی

• گوئٹے: مخلص دوست وہ ہے جو تیری عدم موجودگی میں تیری خیر خواہی کرے۔

مرسلہ: ببلی خان، منگھوپیر

• نامعلوم: اگر ماں کا دل نرم و ملائم نہ ہوتا تو ہمارا اس دنیا میں کوئی ٹھکانا نہ ہوتا۔

مرسلہ: زرینہ بٹ

• ایڈیسن: اپنے متعلق آپ کچھ نہ کہیے۔ یہ کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔

• روز ویلٹ: جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ صحیح کام کر سکتا ہے۔

مرسلہ: عدنان، کراچی

• حکیم بو علی سینا: اتنا کھاؤ جتنا ہضم کر سکو۔

مرسلہ: فہیم احمد، کراچی

• ٹینی سن: تقدیر ہمیشہ دلیروں کا ساتھ دیتی ہے۔ مرسلہ: عظمیٰ فاطمہ، روہڑی

• خواجہ حسن نظامی: شیر شکار کرتا ہے تو تھوڑا سا گوشت کھا کر شکار چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ شکار دوسرے جانور کھا لیتے ہیں۔ انسان میں بھی وہی انسان شیر دل کہلانے کے مستحق ہیں جو اپنی محنت سے دوسروں کی شکم پُری کرتے ہیں۔

مرسلہ: راحیلہ منظور، حیدرآباد

گلاب کا پھول

وحیدہ نسیم

پھول گلاب کا سب سے پیارا
سارے پھولوں سے ہے نیارا
اس کی خوش بُو سب کو بھائے
اس کی رنگت دل کو لُبھائے
بیلا ، جوہی ، چمپا ، گیندا
سارے پھولوں کا یہ راجا
کانٹوں نے ہے اس کو گھیرا
لیتا ہے یہ جن میں بسیرا
اس نے مصیبت سہنا سیکھا
کانٹوں میں ہے رہنا سیکھا
سچ پوچھو تو شان یہی ہے
اچھوں کی پہچان یہی ہے

ایک عجیب و غریب ہولناک پلنگ

علی اسد

کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے کچھ ہی دِنوں بعد میں پیرس میں ایک انگریز دوست کے ساتھ رہتا تھا۔ ہم دونوں بالکل نوجوان تھے اور پیرس ایک ہنگامہ پرور شہر تھا، لہٰذا ہم لوگ بالکل بے لگام ہو رہے تھے۔

ایک دن شام کو ہم دونوں ٹہلتے ہوئے چلے جا رہے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ کون سی تفریح کی جائے کہ اتنے میں میرے دوست نے کہا کہ چلو فراسکاٹی کے ہاں چلیں۔ یہ ایک بازی گھر تھا، جہاں لوگ شرط باندھ کر مختلف کھیل کھیلتے تھے۔ مگر میں وہاں جانا نہیں چاہتا تھا، کیوں کہ کئی بار جا چکا تھا۔ کبھی جیتا اور کبھی تھوڑا بہت ہارا۔ میں صرف تفریح کی

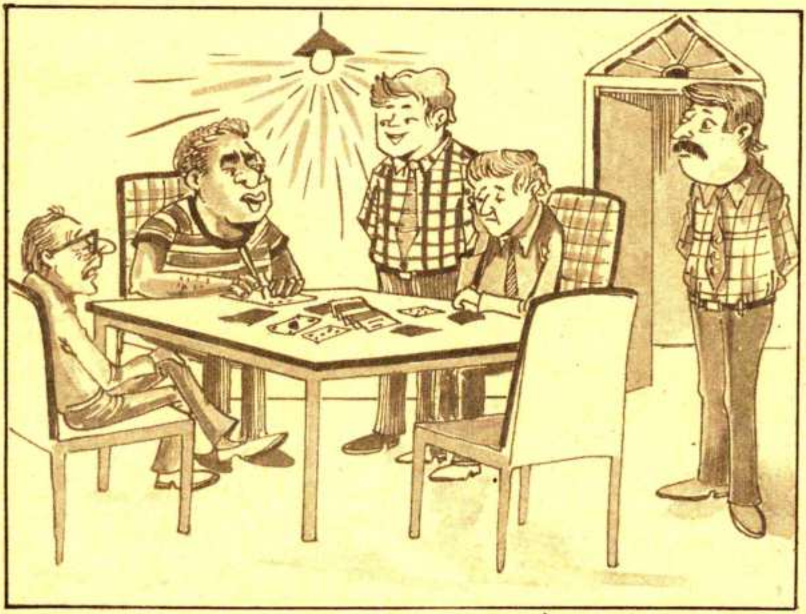

خاطر کھیلتا تھا۔ مگر اب میں اس قسم کی جگہوں پر جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا "کسی دوسری جگہ کیوں نہیں چلتے۔ کسی ایسی جگہ چلو جہاں کوئی تکلف نہ ہو۔" میرے دوست نے کہا کہ اسے ایک ایسی ہی جگہ معلوم ہے جو زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔ چناں چہ ہم لوگ چل پڑے۔ اس مکان میں داخل ہو کر ہم لوگ بالائی منزل پر پہنچ گئے۔ وہاں اپنا ہیٹ اور چھڑی ملازم کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد ہم لوگ اندر کمرے میں داخل ہو گئے۔

وہاں بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ میں اپنی حماقت میں ایسے ہی لوگوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اس طرح تفریح ہو گی، لیکن ذرا ہی دیر میں پتا چل گیا کہ کس طرح کی تفریح ہو گی۔ جس میز پر کھیل ہو رہا تھا وہاں ایک دُبلا پتلا نوجوان تھا جو بالکل خاموش تھا۔ وہ صرف تاش کے پتوں کو گھورتا رہتا تھا۔ ایک دوسرا بدصورت موٹا آدمی تھا جو ایک کاغذ پر یہ لکھتا رہتا تھا کہ سرخ رنگ کتنی بار کھُلا اور سیاہ رنگ کتنی بار۔ اس کے علاوہ ایک بُڈھا آدمی تھا جو اپنا سارا رُپیہ ہار چکا تھا۔ اب وہ صرف دوسروں کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ جو آدمی کھلوا رہا تھا اس کی آواز بھی بڑی مدّھم تھی۔ میں اس جگہ آیا تھا ہنسنے کے لیے مگر یہاں کی حالت دیکھ کر رونے کو جی چاہنے لگا۔ مجھے بڑی کوفت ہو رہی تھی، میں دل بہلانے کے لیے قریب کی میز پر بیٹھ کر رونے لگا اور مزے کی بات یہ کہ میں جیتنے بھی لگا۔

میں نہایت تیزی سے اتنی رقم جیت گیا کہ خود مجھے بھی یقین نہ آیا۔ تمام کھلاڑی میرے اِرد گرد اِکھٹّا ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ اجنبی انگریز بازی گھر کا دیوالیہ نکال دے گا۔ میرے آگے رُپوں کا جو ڈھیر لگا تھا اس کو سب للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں رُپے کی خاطر کبھی نہیں کھیلتا تھا مگر آج معاملہ مختلف تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار مجھ پر جوئے کا جنون سوار ہو گیا جتنا جتنا میں جیتتا جاتا تھا اتنا ہی مجھے اور جیتنے کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ دوسرے کھلاڑیوں نے ہاتھ روک لیا، کیوں کہ اب میں بڑی بڑی رقمیں لگا رہا تھا۔ میرے آگے رُپوں کا انبار لگ گیا۔ ہر شخص میرے جیتنے پر حیران ہو رہا تھا۔ صرف میرا دوست پُرسکون رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے چپکے سے میرے کان میں کہا کہ اب یہاں سے چل دو۔ مگر میں نہ مانا۔ اس نے کئی بار مجھ سے چلنے کو کہا مگر میں نے کوئی پروا نہ کی۔ آخر جب

میں نے اسے جھڑک دیا تو وہ چلا گیا۔
تھوڑی دیر میں ایک شخص جو فوجی وردی پہنے تھا میری ہمّت افزائی کرنے لگا۔ میں تو صرف جیتنے میں لگا ہوا تھا لہٰذا میں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ شخص کس قسم کا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کی گفت گو بھی نہایت خراب تھی۔ مگر میں نے یہ باتیں اس وقت نہیں دیکھیں۔ بہرحال پندرہ منٹ بعد کھیل کھلوانے والا بولا، "حضرات! اب کھیل ختم ہوتا ہے۔"
میرے سامنے رُپوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میں اپنا رُپیہ اکھٹا کرنے لگا کہ اتنے میں بڈھا فوجی بولا، "اس کو اپنے رومال میں باندھ لو۔ تم اتنا جیت چکے ہو کہ جیب میں نہیں رکھ سکو گے۔ سارے سکّے سنبھال کر باندھ لو۔" ایک سکّہ میز سے گر گیا تھا۔ اس نے اس کو اُٹھا کر مجھے دیا اور بولا، "دوہری گرہ باندھو۔ اب یہ محفوظ ہے۔ بس ایک بات رہ گئی ہے۔ رخصت ہونے سے پہلے ایک بوڑھے سپاہی کے ساتھ کچھ پی لو۔" میں بولا، "ہاں یہ اچھا خیال ہے۔" چناں چہ ذرا ہی دیر میں ہم دونوں گھُل مل گئے۔ ہم دونوں جب ایک بوتل ختم کر چکے تو دوسری بوتل منگوائی۔ میں اول فول بکنے لگا۔ میری حالت دیکھ کر بڈھا چلّایا، "کافی!"
وہ تیزی سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ باقی لوگ بھی چلے گئے۔ بڈھا جب واپس آیا تو ہم دونوں کمرے میں تھے۔ وہ بولا، "میں نے تمھارے کے لیے کافی بنوائی ہے اس کو پی لینا۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ تم کو بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ جو لوگ یہاں کھیل میں شریک تھے ان کو معلوم ہے کہ تم بہت بڑی رقم جیت چکے ہو۔ یوں تو وہ لوگ اچھے ہیں، مگر ہر شخص میں ایک نہ ایک کم زوری ہوتی ہے۔ جب تمھاری طبیعت سنبھل جائے تو گاڑی منگوا لینا اور گاڑی میں بیٹھنے کے بعد پردے گرا لینا۔ گاڑی بان سے کہنا کہ وہ تم کو روشن سڑکوں سے تمھارے گھر لے جائے۔ اس طرح تم بہ حفاظت گھر پہنچ جاؤ گے۔"
اتنے میں کافی آگئی۔ میرے دوست نے ایک پیالی مجھے دے دی۔ میں تیزی سے پی گیا۔ مگر فوراً ہی میری حالت اور خراب ہو گئی۔ سارا کمرا گھومنے لگا۔ بڈھا فوجی کودتا ہوا نظر آنے لگا۔ میرے کانوں میں طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ میرے ہاتھ پیر بالکل شل ہو گئے۔ میں کھڑا ہوا تو لڑکھڑا گیا۔ بس اتنا کہہ پایا کہ میں اپنے گھر نہ جا سکوں گا۔

بڈھا جب بولا تو اس کی آواز عجیب سی معلوم ہوئی۔ اس نے کہا، "بہتر ہو گا اگر تم آج رات یہیں رہ جاؤ۔ یہاں کے پلنگ اچھے ہیں۔ میں بھی آج رات یہاں قیام کروں گا۔ تم بھی یہیں رہ جاؤ۔ کل دن میں اپنے گھر چلے جانا۔ اس طرح تم محفوظ رہو گے۔" میری حالت اتنی خراب ہو رہی تھی کہ مجھے صرف اپنے رومال کی فکر تھی جس میں رقم بندھی ہوئی تھی۔ چناں چہ فوجی کی مدد سے میں بالائی منزل پر چلا گیا اور جو کمرا انھوں نے مجھے دیا تھا اس میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے فوجی سے ہاتھ ملایا اور طے کیا کہ ناشتا ساتھ کریں گے۔

جوں ہی میں اکیلا رہ گیا تو میں نے تھوڑا سا پانی پیا اور اپنے سر پر بھی پانی ڈالا۔ کچھ دیر بعد میری حالت کچھ سنبھلی۔ یہ کمرا اچھا تھا۔ روشنی تیز نہ تھی، لیکن اب مجھے ان خطرات کا خیال آیا جو قمار خانے کے کمرے میں سونے سے درپیش ہو سکتے تھے۔ بہر حال اتنی رقم لے کر رات کو پیرس میں بھٹکنے سے یہ بہتر تھا۔ اپنی سیاست کے دوران میں اس سے بھی بدتر جگہوں پر رہ چکا تھا۔ میں نے دروازے کو اچھی طرح بند کر لیا۔ پلنگ کے نیچے ایک بکس تھا اسے میں نے دروازے کے قریب لگا دیا۔ پھر میں نے پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا اور الماریوں کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا۔ پھر کھڑکیوں کو دیکھا۔ جب ہر طرح کا اطمینان ہو گیا تو میں نے لباس اُتارا اور پلنگ پر لیٹ گیا، لیکن میں سو نہ سکا۔ دن بھر کے واقعات اتنے غیر معمولی قسم کے تھے کہ میں سوچتا رہ گیا۔ میں کروٹیں بدلتا رہا۔ سانپ کی طرح کُنڈلی مار کر بھی کوشش کی، مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ کتابیں بھی نہ تھیں۔ میں تلاش کرنے لگا کہ کوئی چیز ملے جس میں اپنے دماغ کو اُلجھا دوں۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چاند کی روشنی کھڑکی میں سے آ رہی تھی۔ وقت کاٹنے کے لیے میں نے ایک کھیل نکالا اور وہ یہ کہ میں کمرے کی ہر چیز کو دیکھوں گا۔ پھر یہ غور کروں گا کہ اس سے میرے ذہن میں کس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن میرے ذہن میں کوئی خیال قائم نہ ہو سکا۔ آخر میں کمرے کی مختلف چیزوں کو گننے لگا۔ سب سے پہلی چیز تھی وہ پلنگ جس پر میں لیٹا ہوا تھا۔ پلنگ بہت پرانا تھا اور اس میں چار کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ان کھمبوں کے سہارے ایک چھت گیری تنی تھی۔ اوپر چاروں طرف چھے انچ چوڑی گوٹ تھی۔ تکیے کے دونوں جانب پردے لٹک رہے تھے۔

پھر میں نے اس میز کی طرف دیکھا، جس پر پانی کا جگ رکھا ہوا تھا۔ فرش اینٹوں کا تھا۔ میرے کپڑے دو چھوٹی کرسیوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ سنگار میز ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس میں جو آئینہ لگا تھا وہ بھی پرانا تھا اور زرد ہو رہا تھا۔ دیوار پر ایک آدمی کی تصویر تھی جو ہسپانوی طرز کی ٹوپی پہنے تھا اور اس میں پانچ پَر لگے ہوئے تھے۔ یہ آدمی اوپر دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے طے کیا کہ میں بھی اوپر دیکھوں گا۔ اوپر مجھے صرف پلنگ کی چھت دکھائی دی۔ چناں چہ میں پھر تصویر کو دیکھنے لگا۔ ٹوپی میں جو پَر لگے ہوئے تھے وہ بہت لمبے تھے۔ تین سفید تھے اور دو سبز رنگ کے تھے۔ چاند کی روشنی جو کھڑکی سے آ رہی تھی وہ کافی تیز تھی۔ چناں چہ میرے خیالات بھٹکنے لگے۔ مجھے دوسری چاندنی راتیں یاد آنے لگیں جو انگلستان میں گزاری تھیں۔

میں نے ایک بار پھر تصویر کو دیکھا۔ مجھے کچھ گڑ بڑ محسوس ہوئی۔ میں غور سے دیکھنے لگا۔ کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی۔ ٹوپی میں جو پَر لگے ہوئے تھے وہ غائب ہو گئے۔ بلکہ پوری ٹوپی ہی غائب ہو گئی۔ کیا اس آدمی نے ٹوپی اُتار ڈالی؟ یہ تو ناممکن تھا۔ آدمی کے چہرے پر اندھیرا چھانے لگا۔

کیا پلنگ حرکت کر رہا تھا؟

میں چت لیٹ گیا اور اوپر گھورنے لگا۔ کیا میں خواب دیکھ رہا تھا؟ کیا میں پاگل ہو گیا تھا؟ کیا واقعی پلنگ کا بالائی حصّہ نیچے میری جانب چلا آ رہا تھا؟ آہستہ آہستہ پلنگ کی چھت میرے قریب آ گئی۔ میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے اور خون منجمد ہو گیا۔ میں نے اپنا سر گھمایا تاکہ تصویر کو دیکھ سکوں۔ اس طرح میں اس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ آیا پلنگ حرکت کر رہا ہے یا نہیں۔

اب جو میں نے دیکھا تو یہ ہول ناک حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔ اب آدمی کا چہرہ بالکل غائب ہو گیا تھا۔ پھر پوری تصویر غائب ہو گئی۔ میں اتنا خوف زدہ ہو گیا کہ ذرا بھی حرکت نہ کر سکا۔ چناں چہ میں پلنگ پر پڑا یہ انتظار کرتا رہا کہ پلنگ کی چھت مجھے دبا کر مار ڈالے۔

عین آخری وقت جس طرح کوئی جانور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے میں پلنگ

سے لڑھک کر فرش پر گر پڑا۔ میرے کندھے پر اس قاتل مشین کا کونا لگا۔ مگر مجھے بچ نکلنے کی جگہ مل گئی۔ اب میں پلنگ کا بالائی حصّہ دیکھ سکتا تھا۔ چھت گیری کا کپڑا ایک بڑا موٹا سا گدّا تھا اور پلنگ اور اس گدّے کے درمیان ہاتھ جانے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ پلنگ کی چھت پلنگ کے ان چاروں کھمبوں کے ذریعہ سے نیچے آئی تھی، جن میں لکڑی کا ایک بڑا سا پینچ لگا ہوا تھا۔ یہ پینچ کمرے کی چھت کے ایک سوراخ کے ذریعہ سے اوپر والے کمرے سے آیا تھا۔ میری عقل حیران تھی کہ پیرس جیسے جدید شہر میں لوگوں کو مار ڈالنے کے لیے ایسی ایسی ترکیبیں بھی موجود تھیں۔

میں جب یہ سب دیکھ چکا تو اس قابل ہوا کہ ٹھنڈے دل سے غور کر سکوں۔ اب میں سمجھ گیا کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ کافی میں کوئی نیند لانے والی دوا تھی، لیکن دوا زیادہ ہو گئی، لہٰذا اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ میں نے اس بازی گھر کے لوگوں پر بھروسا کر کے بڑی حماقت کی۔ یہ لوگ تو مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ پھر میں ان تمام لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جو میری طرح یہاں آئے ہوں گے اور اسی پلنگ پر مر گئے ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی میرے ہاتھ پیر پھر ٹھنڈے پڑ

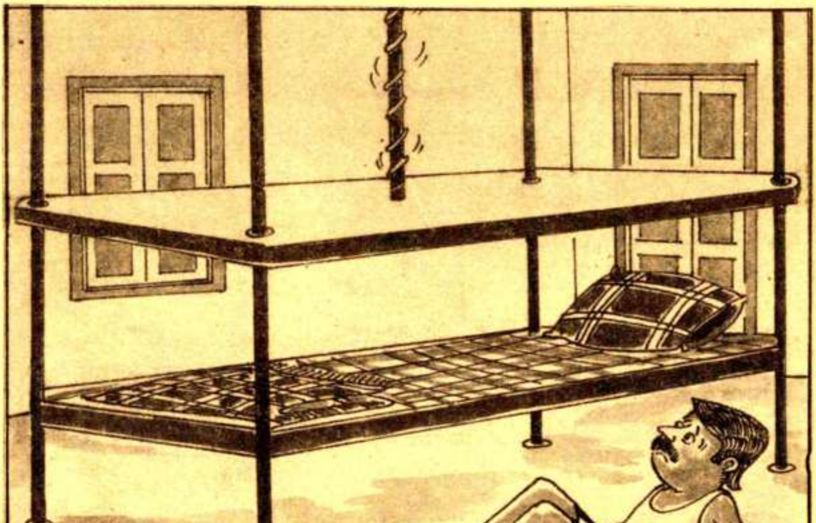

گئے۔

تقریباً دس منٹ بعد پلنگ کی چھت اوپر جانے لگی۔ جس خاموشی سے اوپر آئی تھی، اسی خاموشی سے اوپر چلی گئی۔ اوپر نہ سُوراخ دکھائی دیتا تھا اور نہ پیچ۔ بہ ظاہر ایک پرانا چار کھمبوں کا پلنگ تھا۔ اب میں بھاگنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ جلدی جلدی میں نے کپڑے پہنے۔ یہ کام میں نے بالکل چُپ چاپ کیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر ان قاتلوں کو ذرا بھی آہٹ سُنائی دے گئی تو مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ دروازے پر میں نے جو بکس اَڑا دیا تھا اس کو کھسکانے کی میری ہمّت نہ پڑی۔ یوں بھی ادھر سے جانا خطرناک تھا۔ اب میں صرف کھڑکی کے راستے بھاگ سکتا تھا۔ یہ کمرا دوسری منزل پر تھا۔ نیچے ایک گلی تھی۔ میں نے آہستہ سے کھڑکی کھولی۔ وہاں سے کُودنا دشوار تھا۔ خوش قسمتی سے کھڑکی کے قریب ہی نل کا ایک پائپ لگا تھا جو نیچے تک چلا گیا تھا۔ میں چوروں کی طرح کھڑکی کے باہر نکلا۔ ابھی میں نے نیچے جانے کے لیے قدم رکھا ہی تھا کہ مجھے اپنی جیتی ہوئی رقم یاد آئی جو تکیے کے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ رقم ان غنڈوں کو ملے۔ عین اسی وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے دروازے کے باہر کوئی ہے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ صرف ہوا تھی۔ چناں چہ جوں ہی میں گلی میں اُترا تو سیدھا پولیس اسٹیشن چلا گیا۔ میں نے پولیس کو سارا قصّہ سُنایا۔ مگر میں اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ وہ مجھے دیوانہ سمجھنے لگے۔

بہرحال جب میں سارا واقعہ سُنا چکا تو ان کو یقین آگیا۔ چھے آدمی فوراً تیار ہوگئے اور ہم لوگ سنسان گلیوں سے اس مکان تک پہنچ گئے۔ دو سپاہی مکان کے پچھلے حصّے پر پہرا دینے لگے اور باقی ہم لوگ اگلے دروازے پر پہنچے۔ پولیس افسر نے مجھے ایک سپاہی کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر دستک دی۔ اوپر والے کمرے میں روشنی نمودار ہوئی۔ پولیس افسر چلّایا، "دروازہ کھولو، پولیس!"

ایک آدمی نے دروازہ کھولا اور بولا، "کیا کام ہے؟"

"ہم اس انگریز نوجوان کو دیکھنا چاہتے ہیں جو اس مکان میں سو رہا ہے۔"

"وہ تو کئی گھنٹے ہوئے چلا گیا۔"

"وہ نہیں گیا۔ اس کا دوست چلا گیا، مگر وہ یہیں رہ گیا۔ ہم کو اس کے کمرے میں

ے چلو۔"
"ایمان سے وہ ......"
"وہ یہیں سو رہا ہے"، پولیس افسر نے بات کاٹ کر کہا،"مگر اسے پلنگ تکلیف دہ معلوم ہوا۔ اس نے ہم سے شکایت کی ہے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔"

جس آدمی نے دروازہ کھولا اس کو باندھ لیا گیا اور سب لوگ اوپر چلے گئے۔ مکان میں جتنے آدمی تھے سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ بڈھا فوجی بھی گرفتار ہو گیا۔ میرے کمرے کو دیکھنے کے بعد ہم لوگ اوپر والے کمرے میں گئے۔ ہر چیز درست معلوم ہوئی، مگر ایک پولیس افسر نے فرش کو کئی مقامات پر ٹھونکا۔ ایک جگہ کھوکھلی معلوم ہوئی۔ چناں چہ سپاہیوں نے فرش کو کھود لیا۔ فرش میں ہم کو وہ راستہ دکھائی دیا جس کے ذریعہ سے وہ بڑا پیچ گھمایا جاتا تھا۔ پھر کچھ لوگ نیچے چلے گئے۔ اور کچھ سپاہیوں نے پلنگ کی چھت کو نیچے گرایا۔ میں نے پولیس افسر سے کہا کہ اس بار کافی آواز پیدا ہوئی۔ پولیس افسر نے کہا،"ہمارے آدمیوں نے اسے پہلی بار چلایا ہے۔ یہ چھٹے تو مدتوں سے اس کو چلا رہے ہیں۔"

باقی قصہ بالکل سیدھا سادہ ہے۔ وہ فوجی بڈھا اس بازی گھر کا مالک تھا۔ کئی سال قبل اس کو چوری کرنے پر فوج سے نکال دیا گیا تھا۔ معلوم نہیں کتنے آدمیوں کو اس پلنگ کے ذریعہ سے موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا تھا۔ سب دغابازوں کو سزا ہو گئی اور وہ بازی گھر بند کر دیا گیا۔ ایک ہفتے کے بیچ میں پیرس کا مشہور ترین نوجوان بن گیا۔

اس واقعے کا ایک اچھا اثر ہوا۔ میں نے پھر کبھی تاش نہیں کھیلے۔

بزمِ نونہال کے لیے خط مختصر اور دل چسپ لکھنے کی کوشش کیجیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کے خط شائع ہو سکیں۔ خط اس انداز سے ارسال کیجیے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ ۱۰ (دس) تاریخ تک موصول ہو جائے۔ خط کے کاغذ پر اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے اور نہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال کیجیے۔ کاغذ کے ایک طرف تھوڑا حاشیہ اور سطروں کے درمیان جگہ چھوڑ دیجیے۔

(ادارہ)

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

پاکستان میں اور بیرون ملک بھی

۱۹۸۴ء کے مالیاتی اعداد و شمار

	روپیہ		روپیہ
سرمایہ اور محفوظات	۱،۲۷۱،۰۰۰،۰۰۰	مجموعی اثاثہ جات	۵۹،۷۸۷،۰۰۰،۰۰۰
ڈپازٹ کی رقوم	۴۴،۶۳۱،۰۰۰،۰۰۰	منافع ٹیکس کی	
قرضہ جات و سرمایہ کاری	۳۴،۰۳۶،۰۰۰،۰۰۰	ادائیگی سے قبل	۳۶۸،۰۰۰،۰۰۰

پاکستان اور بیرونِ ملک بینک کی ۱۶۰۰ سے زائد شاخیں کام کر رہی ہیں :

بیرون ملک شاخوں کا نظام

ریاستہائے متحدہ امریکہ :

■ نیویارک

برطانیہ :

■ لندن منسنگ لین ■ لندن کمرشل اسٹریٹ، ایسٹ لندن
■ لندن کنگسٹن ہائی اسٹریٹ ■ برمنگھم ■ کارڈف
■ مڈل سیکس ■ لیوٹن ■ ناٹنگھم ■ مانچسٹر
■ بریڈفورڈ ■ گلاسگو ■ ہڈرس فیلڈ ■ لیڈز
■ اولڈھیم

متحدہ عرب امارات :

■ ابوظہبی مین برانچ ■ ابوظہبی ایرپورٹ روڈ
■ ابوظہبی شیخ حمدان روڈ ■ العین ■ دیرہ دبئی
■ بردبئی ■ دبئی داور المصلی ■ شارجہ

بحرین :

■ منامہ ■ باب البحرین ■ محرق

قطر :

■ دوحہ

جمہوریہ عرب یمن :

صنعاء

ذیلی ادارے

- یونائیٹڈ بینک اے جی زیورخ (سوئٹزرلینڈ)
- یونائیٹڈ بینک آف لبنان اینڈ پاکستان، ایس۔ اے۔ ایل، بیروت، لبنان
- یونائیٹڈ سعودی کمرشل بینک (البنک السعودی التجاری المتحدہ) ریاض سعودی عرب
- کمرشل بینک آف عمان۔ مسقط، سلطنتِ عمان۔

اس کے علاوہ یو۔بی۔ایل نے غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی رقوم کی جلد از جلد ترسیل کے لئے متعدد ایکسچینج کمپنیوں کے ساتھ معقول انتظامات کر رکھے ہیں۔

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

manhattan PAKISTAN 85 4 - C

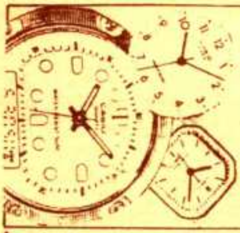

وقت

ولی ہاشمی

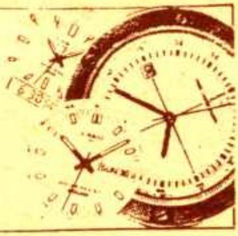

وقت نعمت ہے وقت دولت ہے
وقت سے زندگی عبارت ہے

وہی جوہر وہی توانائی
وقت بنیادِ نظمِ قدرت ہے

مال و دولت ہو یا کہ علم و ہنر
حاصلِ ضربِ وقت و محنت ہے

وقت کم اور مقابلہ ہے سخت
زندگی امتحانِ ہمت ہے

وقت واپس کبھی نہیں آتا
وقت ساکن نہیں ہے حرکت ہے

وقت کی قدر جس کسی نے کی
اس کی دنیا میں قدر و قیمت ہے

وقت کی قدر جو نہیں کرتا
اس کا انجام صرف نکبت ہے

وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو
وقت کھونا بڑی نحوست ہے

وہ تمھارا ہے ایک مخلص دوست
گر تمھیں وقت سے محبت ہے

یہ نہ بھولو کبھی مرے بچو!
وقت اللہ کی عنایت ہے

مختصر یہ کہ سارے عالم میں
ہر جگہ وقت کی حکومت ہے

اچھے کاموں میں وقت صرف کرو
بس ولی کی یہی نصیحت ہے

تحفے

بڑا آدمی

مرسلہ: اکبر نواز شاد، کراچی

بڑے آدمی کی تمام خوبیاں اور خصائل اس کی زندگی میں بھی کام آتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی اس کی عظمت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ چناں چہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب بڑا آدمی مرتا ہے تو اگلے دن خبر آتی ہے کہ اس کے جنازے میں شہر کے تمام بڑے آدمی شریک ہوئے۔ تاہم یہ بڑے آدمی کاروں میں قبرستان پہنچ جاتے ہیں۔ کندھا دینے والے چار آدمی چھوٹے آدمی ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کے کندھے چوڑے اور مضبوط ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ بڑے آدمیوں کو کندھا دیتے ہیں۔

افسوس کہ بڑے آدمی بھی بالآخر اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں اور بیس بیس کنالوں کی کوٹھیوں سے نقلِ مکانی کر کے انھیں بقیہ عمر چھوٹے آدمیوں کے ساتھ دو دو گز والے پلاٹ کی قبروں میں بسر کرنا پڑتی ہے۔ بڑے آدمیوں کو چاہیے کہ وہ اس بات پر غور کریں اور یہ بات اپنے سے بھی بڑے آدمیوں کے نوٹس میں لائیں۔

— عطاالحق قاسمی

بیدی کے لطیفے

مرسلہ: عنبر ممتاز، کراچی

مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کی باتیں بہت دل چسپ اور بے ساختہ ہوتی تھیں۔ ایک بار دہلی کی ایک محفل میں مشہور شاعر بشیر بدر کو کلام سنانے کے لیے بُلایا گیا تو بیدی صاحب نے، جو میرے برابر بیٹھے تھے، اچانک میرے کان میں کہا، "ہم نے دربدر، ملک بدر، اور شہر بدر تو سُنا تھا۔ یہ بشیر بدر کیا ہوتا ہے؟" میں نے زور سے قہقہہ لگایا تو اچانک یوں سنجیدہ بن گئے جیسے انھوں نے کچھ کہا ہی نہ ہو۔"

سکھوں کے جتنے لطیفے انھیں (بیدی کو) یاد تھے اتنے شاید ہی کسی کو یاد ہوں۔ اپنے حوالے سے کہا کرتے تھے، "لاہور میں میرے گھر کے سامنے ایک بھینس بندھی رہتی تھی، جس پر میرے دوستوں کو اعتراض ہوا کرتا تھا۔ ایک روز ایک دوست نے سختی سے اعتراض کیا تو میں نے کہا، "بھئی، ہندو کا محبوب جانور گائے ہے اور مسلمان کا محبوب جانور اونٹ ہے، کیا ہم سکھوں کو اپنا محبوب جانور بھینس پالنے کا حق نہیں ہے۔"

— مجتبیٰ حسین، بھارت

کردار

مرسلہ: نزہت رحمٰن، کراچی

جس طرح ایک بند کمرے کے چھوٹے سے سوراخ سے دن نکلنے کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کا کردار بے نقاب ہوتا ہے۔

قصور وار

مرسلہ: گل خان نیازی، کراچی

ایک مرتبہ کسرا کا خان ساماں بادشاہ کے لیے کھانا چُن رہا تھا کہ سالن کا ایک قطرہ کسرا کے ہاتھ پر آپڑا۔ کسرا کو بہت غصّہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ خان ساماں کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں۔ خان ساماں نے یہ حکم سُنا تو پورا پیالہ بادشاہ پر انڈیل دیا۔ کسرا نے پوچھا، "یہ کیا حرکت کی؟"

جواب دیا، "تاکہ لوگ حضور کو ظالم خیال نہ کریں، اور یوں نہ کہیں کہ بادشاہ نے ایک ذرا سی غلطی پر اپنے اتنے پرانے خدمت گار کو قتل کروادیا۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی، اب میں نے جان بوجھ کر قصور کیا ہے، تاکہ مجھے قصور کی سزا ملے، غلطی کی نہیں اور اس سزا کو لوگ جائز سمجھیں۔"

آج کی بات

مرسلہ: اسماء رانی بدر، کراچی

جب کوئی اپنی قسمت سنوارنے کے لیے تم سے دل چسپی لینی کم کر دے اور نئے ساتھیوں کا انتخاب کرنے لگے تو اپنا دل چھوٹا نہ کرو اور یہ دُعا کرو کہ نیا سفر مبارک ہو۔ ہر شخص خود مختار ہے۔ کوئی کسی کی تقدیر نہیں بدل سکتا۔ سب اپنے اعمال کے خود ذمے دار ہیں۔

علم اور جہل

مرسلہ: صفیہ اختر، کراچی

- علم زندگی ہے، جہل موت ہے۔
- علم انسانیت ہے، جہل حیوانیت ہے۔
- علم نیکی ہے، جہل بدی ہے۔
- علم محبّت ہے، جہل نفرت ہے۔
- علم خلافت ہے، جہل بادشاہت ہے۔
- علم امن ہے، جہل نفاق ہے۔
- علم روشنی ہے، جہل تاریکی ہے۔
- علم ایمان ہے، جہل کفر ہے۔
- علم انبیا کا ورثہ ہے، جہل فرعون کا۔
- علم وحدانیت کا راستہ ہے، جہل شیطنت کا۔
- علم منزل ہے، جہل گمراہی ہے۔
- علم عقل ہے، جہل نادانی ہے۔
- علم شعور ہے، جہل بے شعوری ہے۔

انمول موتی

مرسلہ: قدرت اللہ بیگ، میرپورخاص

★ اگر انسان میں عزم و ہمت ہو تو اُس کے لیے دنیا کا کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

★ مایوس انسان کبھی ترقی کے زینے نہیں چڑھ سکتا۔

★ علم ایسا سمندر ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

★ قلم کے ذریعہ سے جہاد کرنے کو اپنا نصب العین

بنالو۔ تمھیں سچی خوشی حاصل ہو گی۔

★ دماغ کی نشوونما علم حاصل کرنے سے ہوتی ہے۔

★ ہمیشہ حق گوئی پر قائم رہو، مگر جان بوجھ کر کسی کی دل آزاری نہ کرو۔

اقوالِ زرّین

مرسلہ: ہما اختر، لاڑکانہ

* علم کی دولت سے کسی نے خدائی کا دعوا نہیں کیا بلکہ مال و طاقت کی وجہ سے کیا ہے۔

(حضرت ابوبکر صدیق رضؓ)

* آنکھ دل کا دروازہ ہے، تمام آفتیں اسی راہ سے داخل ہوتی ہیں۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ)

* ظالم کو معاف نہ کرو کہ یہ مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضؓ)

* تلوار کا زخم بدن پر لگتا ہے مگر بڑی بات کا زخم روح پر۔ (حضرت عثمان غنی رضؓ)

* سب سے بڑی خیانت قوم اور ملک کی ہے۔

(حضرت علی کرم اللہ)

تجربہ

مرسلہ: شفیق احمد جمیل، کراچی

ہر انسان کی کام یابی اس کی ناکامی کے زینوں سے ناپی جاسکتی ہے۔ جب کوئی انسان ٹھوکر کھاتا ہے تو وہ ایک قیمتی تجربہ حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجربہ اس کی زندگی کی راہیں بدلنے میں اس کی راہ نمائی کرتا ہے۔ ناکامی کے بغیر کوئی بھی کام یابی حاصل نہیں کر سکتا۔ انسان کو وقتی ناکامی سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔

شعر

مرسلہ: احمد علی، کراچی

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
(امیر مینائی)

مجھے پہچانیے

مرسلہ: نگہت ذاکر، کراچی

میں عام طور پر گندگی کے ڈھیر پہ بیٹھنا پسند کرتی ہوں اور گندگی میں ہی پرورش پاتی ہوں۔ لوگ مجھ سے تنگ رہتے ہیں اور مجھے مارنے کے لیے طرح طرح کی دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ میں بچوں، بوڑھوں اور جوانوں سے کھیلنا پسند کرتی ہوں مگر جب کھیلتی ہوں تو یہ لوگ مجھے ہاتھ ہلا ہلا کر بھگانے لگتے ہیں۔

پیارے بچو! یقیناً آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا میں وہی چھوٹی سی "مکھی" ہوں۔

ٹی وی بات

مرسلہ: مہر فاطمہ شمس، کراچی

اس "کاروان" حیات میں ہر شخص کی زندگی میں "اندھیرا اُجالا" ہے۔ زندگی میں ایک خزاں کا "موسم" ہے۔ جس کو ہم صرف اپنے "کردار" کے پھول سے موسمِ بہار بنا سکتے ہیں۔ زندگی کو "آج کا کھیل" سمجھ کر مت کھیلو بلکہ یہ سوچ کر گزارو کہ جب ہم خدا کے "روبرو" ہوں گے تو دنیا میں کیے جانے والے اپنے تمام اعمال پیش کریں گے۔ یاد رکھو وہی شخص دنیا میں "درخشاں" اور تابندہ ہے

جو اپنی دین اور دنیا کو سنوار لیتا ہے۔

انسان کی یہ ہمیشہ سے "کوشش" رہی ہے کہ وہ باحیثیت اور باوقار رہے۔ یاد رکھو انسان کا تمام وقار اس کی "اپنی بات" میں پوشیدہ ہے جو وہ کہتا ہے اور یہی بات "فرمانِ الٰہی" سے ظاہر ہوتی ہے۔

مقصد

ملازم حسین عابد، قلعہ خوشاب

ایک کم زور سے کم زور شخص جس کا مقصد ایک ہو بہت کچھ کر سکتا ہے، اور ایک طاقت ور سے طاقت ور شخص جس کے بہت سے مقصد ہوں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

—— بابائے اردو مولوی عبد الحق

ایک شعر

مرسلہ: سعدیہ سمیع اللہ، کراچی

گرداب میں جس شخص کو جینا نہیں آتا
اُس شخص کا ساحل پہ سفینہ نہیں آتا

مبارک باد

مرسلہ: سمیرا یاسین، راولپنڈی

مغل شہنشاہ اکبر جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے ایک ہرن پر تیر چلایا، لیکن نشانہ خطا ہو گیا۔ بیربل پاس ہی تھا۔ اس نے فوراً کہا:

"مبارک ہو!"

اکبر نے کہا، "تم میرا مذاق اُڑاتے ہو؟"

بیربل نے جواب دیا، "ظلِ الٰہی! میں نے تو ہرن کو مبارک باد دی ہے!"

عِلم، عمل کے بغیر بے کار ہے

مرسلہ: شمیم سلطانہ، کراچی

ایک عالم کا قول ہے۔ وہ جب طالبِ علم تھے تو انھیں ایک دن یہ سبق پڑھایا گیا کہ "سچ بولو!" دوسرے دن سب سے پوچھا گیا کہ کیا سبق یاد ہو گیا؟ سب نے کہا، "یاد ہو گیا!" مگر انھوں نے کہا، "ابھی نہیں!" دوسرے دن بھی یہی جواب دیا۔ استاد بہت بگڑے، "تم بڑے کند ذہن ہو!" ایک ہفتہ گزر گیا۔ جب آٹھویں دن اُن سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ "ہاں یاد ہو گیا۔" استاد نے کہا کہ افسوس تمھیں دو الفاظ آٹھ دن میں یاد ہوئے۔ طالبِ علم نے بتایا کہ میری ماں نے مجھے نصیحت کی ہے کہ جو پڑھو اس پر عمل کرو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا اپنا سبق یاد نہیں کیا۔ اس لیے جب میں نے پڑھا "سچ بولو،" تو سچ بولنے کی کوشش کی۔ جناب میں نے آٹھ دن سچ بولنے کی کوشش کی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں سچ بولنے لگا ہوں تب میں نے کہا کہ "جی ہاں، سبق یاد ہو گیا!"

تحفے میں نئی تحریریں نہیں بلکہ شائع شدہ کتابوں، رسالوں، اخباروں سے ایسی تحریریں منتخب کی جاتی ہیں جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ مفید، معلوماتی اور دل چسپ بھی ہوں۔ اس لیے نونہالوں سے درخواست ہے کہ مطالعے کے دوران اُن کو کسی تحریر کا کوئی بہت عمدہ ٹکڑا ملے تو وہ صاف نقل کر کے ہمیں بھیج دیں، لیکن مصنف اور کتاب یا رسالے (مع مہینہ و سال) کا نام لکھنا نہ بھولیں۔ اپنا نام پتا بھی لکھیں۔

فیصلے کی قوت

مناظر صدیقی

نوشو اپنے پچیس ساتھیوں سمیت جسمانی تربیت کی مشق میں مصروف تھا۔ یہ تمام لڑکے جن کی عمریں ۱۲ سے ۱۵ سال کے درمیان تھیں بالکل فوجی انداز سے ورزش کر رہے تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن میں سے کچھ کو "نیشیا" نامی نئے سیّارے میں بھیجا جانا تھا۔ خلائی سفر کرنے والوں نے یہ نیا سیارہ تھوڑے ہی دن پہلے دریافت کیا تھا۔ خلائی جہازوں کے ذریعہ سے اس کی فضا کا معائنہ کیا گیا تھا۔ اس سیارے کی فضا میں ایسی گیسیں موجود تھیں جو انسان کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ پھر خلائی گاڑیوں کے ذریعہ سے کچھ لوگ اس سیارے پر اُترے بھی تھے انھوں نے اس سیّارے پر ہریالی بھی دیکھی تھی۔ سیّارے پر ندیاں بھی تھیں اور پہاڑ بھی تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ زمین پر رہنے والے اس سیّارے پر اطمینان سے زندہ رہ سکتے تھے۔ عالمی سائنس دانوں نے نئے سیّارے پر ایک تجربہ گاہ بنا دی تھی۔ تاکہ سیّارے پر معدنیات وغیرہ کا پتا چلائیں۔ سیارے پر خشکی کا جو سب سے بڑا حصّہ تھا وہ براعظم ایشیا سے ملتا جلتا تھا۔ اسی لیے اس کا نام نیشیا رکھ دیا گیا تھا۔

نیشیا کی تجربہ گاہ کے ذریعہ سے وہاں کئی قسم کی دھاتوں اور دوسری معدنیات کا بھی پتا چلا تھا۔ اس لیے زمین کے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ زمین کی کچھ آبادی کو نیشیا میں منتقل کر دیا جائے۔ قوموں کی انجمن نے سائنس دانوں کی یہ تجویز منظور کر لی تھی، کیوں کہ زمین کی آبادی اتنی زیادہ بڑھ چکی تھی کہ ان کے رہنے کے لیے جگہ کم پڑ گئی تھی۔ جو زمین خالی تھی اس پر نئی آبادیاں نہیں بسائی جا سکتی تھیں، کیوں کہ ایسا ہو جاتا تو پھر ان تمام انسانوں کے کھانے کے لیے اناج کہاں پیدا ہوتا؟

نیشیا کو آباد کرنے کے لیے زمین کی تمام بڑی بڑی حکومتوں نے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا تھا کہ زمین سے تھوڑے دنوں کے بعد آدمیوں کے قافلے خلائی جہازوں

میں نیشیا بھیجے جائیں۔ ہر قافلے کے ساتھ کچھ ایسے نوجوان بھی بھیجے جائیں جو نئے سیارے کو آباد کرنے اور دن رات محنت کر کے وہاں کا انتظام سنبھال سکیں۔ ان نوجوان لوگوں کی نگرانی کے لیے زمین کے بعض مشہور سائنس داں بھی بھیجے جائیں۔ جن نوجوانوں کو نیشیا پر بھیجا جائے انھیں چار سال تک تربیت دی جائے کہ انھیں نیشیا پہنچ کر کیا کیا کام کرنا ہے۔

ان چار برسوں میں دو برس تک زمین پر اور باقی دو برس ایک خاص خلائی اسکول میں تربیت دی جائے۔ یہ خلائی اسکول زمین سے لاکھوں میل کے فاصلے پر خلا میں قائم تھا۔ اس اسکول میں بھیجے جانے کی شرط یہ تھی کہ پہلے زمین پر جو اسکول قائم ہوں ان میں لڑکے اچھے نمبر حاصل کر کے کامیاب ہوں۔ زمین پر ایسے اسکول کئی ملکوں میں قائم تھے۔ ایک نوعمر لڑکا توشو ایسے ہی ایک اسکول میں تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۴ سال تھی۔ اسے تربیت حاصل کرتے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ یہاں تربیت مکمل ہونے تک اس کی عمر ۱۵ سال ہو جاتی۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو خلائی اسکول میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں تربیت پوری کرنے کے بعد جب اس کی عمر ۱۷ سال ہو جاتی تو اسے نیشیا میں بھیج دیا جاتا۔

توشو بہت سنجیدہ لڑکا تھا۔ اسکول میں کسی سے بھی اس کی دوستی نہیں تھی، کیوں کہ وہاں کوئی بھی لڑکا ایسا نہیں تھا جس کے خیالات توشو سے ملتے ہوں۔ شروع شروع میں اُس نے یہاں دوست بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وہ جس کسی کو دوست بنانے کے لیے گُھل مل کر بات چیت کرتا ہے وہی اس کا مذاق اُڑانے لگتا ہے یا پھر ڈر کر خود ہی اُس سے دُور دُور رہنے لگتا ہے۔ بات یہ تھی کہ اس اسکول میں بالکل فوجی انداز میں تربیت دی جاتی تھی۔ صبح اُٹھ کر کئی میل دوڑنا پڑتا تھا۔ پھر سخت قسم کی جسمانی ورزش کرنا پڑتی تھی۔ بندوق اور پستول چلانا سکھایا جاتا۔ شام کو نشانہ بازی کی مشق ہوتی۔

توشو سوچتا کہ نیشیا پر کسی سے جنگ تو لڑنا نہیں ہے، پھر یہ خالص فوجیوں والے کام کیوں سکھائے جاتے ہیں۔ ہمیں تو ایسی تربیت ملنی چاہیے جو دوسروں کی خدمت کرنے میں کام آسکے۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے کاشت کاری اور باغ بانی سکھائی جائے، یا پھر زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کرنا بتانا چاہیے تاکہ جب وہ نیشیا پہنچے تو ان لوگوں کے کام آسکے جو زمین سے وہاں بھیجے جا چکے ہیں۔ کھانے پینے کا تمام سامان زمین سے ہی بھیجا جا رہا تھا۔ توشو سوچتا کہ جب نیشیا میں ہریالی موجود

ہے تو وہاں اناج بھی اُگایا جا سکتا ہے۔ پھلوں کے درخت بھی لگائے جا سکتے ہیں، اس لیے جن لوگوں کو وہاں بھیجنا ہے انھیں یہ سب چیزیں سکھائی جانی چاہییں۔ صرف فوجیوں کی طرح پریڈ کرانے، ورزش کرانے اور نشانہ بازی کی مشق کا کیا فائدہ۔ یہ باتیں جب وہ اپنے ساتھیوں سے کرتا تو لڑکے مذاق اُڑاتے۔ کوئی کہتا، "تمھیں ہیڈ ماسٹر ہونا چاہیے۔" دوسرا کہتا، "نہیں بھئی توشو کو وزیرِ تعلیم بنا دو!" تیسرا کہتا، "ارے ارے تم تو توشو کی عزت کم کر رہے ہو، یہ تو صدر بنے گا۔" ایسی باتیں سُن سُن کر توشو نے سوچا کہ کسی سے بھی دوستی نہ رکھی جائے۔ وہ زیادہ تر خاموش اور سب سے الگ تھلگ رہنے لگا۔

توشو ہر وقت یہی سوچتا کہ اپنے خیالات اپنے بزرگوں کو کیسے بتائے۔ اُس کے خیالات سُن کر استاد اور دوسرے بزرگ کہیں ناراض تو نہیں ہو جائیں گے۔ اب اس کا دل کسی کام میں نہیں لگتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے جیسے تمام انسانوں کی خدمت کرے، لیکن اُسے جو چیزیں سکھائی جا رہی تھیں وہ تو صرف جنگ میں کام آ سکتی تھیں۔ جس میں انسان مرتے ہی ہیں، ان کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ آدمی زیادہ سوچنے لگے تو اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ چناں چہ توشو کے ساتھ بھی یہی

ہوا۔ اب تو اکثر ایسا ہوتا کہ وہ رات کو سونے کے لیے بستر پر لیٹتا تو یہی سوچتا رہتا کہ اگر اس کی مرضی کے مطابق کام سکھا دیے گئے تو نیشیا جا کر وہ باغ لگائے گا۔ وہاں جو لوگ پہلے سے موجود ہوں گے انھیں ساتھ ملا کر کاشت کاری کرے گا۔ اس طرح نیشیا کو جنّت بنا دے گا۔ انھی خیالات میں اس کی نیند بھی اُڑ جاتی۔ دیر سے سوتا تو صبح مشکل ہی سے آنکھ کُھلتی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر پریڈ کے میدان میں پہنچتا تو بھی دیر ہو ہی جاتی۔ وہاں اسے ڈانٹ سُننی پڑتی۔ ورزش میں بھی پہلے جیسی پُھرتی نہیں رہی تھی۔ یہ باتیں اسکول کے ماسٹروں اور ناظم سے کیسے چُھپ سکتی تھیں۔

ایک دن ورزش کے بعد جب سب لڑکے ناشتے کے لیے جمع ہوئے تو ناظم کا نائب توشو کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"ناشتا کرنے کے بعد تم ناظم صاحب سے مل لو۔ انھوں نے تمھیں بُلایا ہے۔ ذرا تیاری کر کے جانا اور جو کچھ وہ پوچھیں اس کا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

توشو نے سُنا تھا کہ ناظم صاحب بہت سخت آدمی ہیں۔ یوں بھی ان کا عہدہ چوں کہ سب سے بڑا تھا اس لیے ہر شخص اُن سے ڈرتا تھا۔ اُن کی طرف سے بُلائے جانے کا پیغام ملا تو توشو پریشان ہو گیا کہ نہ جانے وہ کیا پوچھیں اور کس بات پر ناراض ہو جائیں۔ بہرحال اُس نے جیسے تیسے ناشتا ختم کیا۔ اور تیار ہو کر ناظم صاحب کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ناظم صاحب نے اسے اندر بُلا لیا۔ وہ ایک بڑی سی میز کے پیچھے آرام دہ گھومنے والی کرسی پر بیٹھے تھے۔ توشو اُن کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو انھوں نے توشو کو کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ وہ چپ سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ناظم صاحب نے کہا:

"تمھارا نام توشو ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تمھارے متعلق شکایت ملی ہے کہ اب پہلے کی طرح تم کوئی کام دل لگا کر نہیں کرتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری صحت بھی اچھی نہیں رہی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم اس اسکول کی تربیت کو پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے ساتھی لڑکوں سے تم نے کچھ ایسی باتیں کی ہیں جیسے تم یہاں کا پورا نظام بدلوانا چاہتے ہو۔ کیا یہ سب باتیں درست ہیں؟"

توشو سوچنے لگا کہ کیا وہ اپنے دل کی بات ناظم صاحب کو بتا دے۔ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں اور اُسے اسکول سے نکال ہی نہ دیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو پاپا اور امّی کو بڑا دُکھ ہو گا، لیکن جو کچھ وہ سوچتا رہا ہے وہ اگر ناظم صاحب کو نہ بتائے تو کیا کہے۔ اس کی صحت بھی خراب ہو رہی ہے۔ کام میں بھی دل نہیں لگتا۔ ان دونوں چیزوں کے متعلق کیا بہانہ کرے، پھر اپنے ساتھیوں سے جو باتیں کر چکا ہے ان کے متعلق کیا کہے، کیا سب کو جھوٹا بنا دے۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہو گی۔

ابھی وہ یہ سب باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ ناظم صاحب نے ایک بار پھر اُسے ٹوکا: "کیا سوچنے لگے؟ جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔"

اتنی دیر میں توشو فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دینا چاہیے۔ اگر اُس نے یہ موقع ضائع کر دیا تو وہ پھر کبھی اپنے خیالات ظاہر نہیں کر سکے گا۔ دل میں یہ فیصلہ کر کے اس نے ناظم صاحب کو وہ سب باتیں بتا دیں جو وہ سوچتا رہتا تھا۔ اس کی تمام باتیں سُن کر ناظم صاحب نے کہا:

"تم جا سکتے ہو۔ دو دن بعد پھر مجھ سے ملنا۔ اس وقت تک میں سوچ کر تمھارے بارے میں فیصلہ کروں گا۔"

دو دن بعد جب وہ ناظم صاحب سے ملا تو انھوں نے پوچھا:

"توشو! کیا تم اپنے خیالات بدل نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جو سوچتے ہو وہ غلط ہو۔"

"جی نہیں! میں جو سوچتا ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے۔" توشو نے ہمّت کر کے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔ شام تک تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تمھارے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے۔" ناظم صاحب نے کہا۔

دوپہر میں توشو کو اطلاع ملی کہ اس کے پاپا اور امّی اُسے لینے آئے ہیں، وہ اپنا سامان لے کر گھر جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ توشو سمجھ گیا کہ ناظم صاحب نے اسے اسکول سے نکال دیا ہے۔ وہ بہت رنجیدہ ہوا، لیکن اب تو فیصلہ ہو ہی چکا تھا۔ مجبوراً اپنا سامان سمیٹ کر وہ گھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسکول کے کمپاؤنڈ میں اس کے پاپا کی کار کھڑی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پاپا کو جب میرے اسکول سے نکالے جانے کی اطلاع ملی ہو گی تو انھیں بہت دُکھ پہنچا ہو

گا۔ اسی لیے وہ شرمندہ شرمندہ سا تھا۔ سر جھکائے ہوئے وہ جب پاپا کی کار کے قریب پہنچا تو انھوں نے کار سے اُتر کر اُسے گلے لگا لیا۔ اس کی امّی بھی اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے بھی کار سے اُتر کر اسے چمٹا لیا۔ لیکن توشو تو بہت شرمندہ تھا۔ اس لیے جب اُن کی کار چل پڑی تو توشو نے کہا:

"پاپا، مجھے معاف کر دیجیے، مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

"بھئی کس بات کی معافی اور کیسی غلطی؟ آج تو ہم بہت خوش ہیں۔" اس کے پاپا نے کہا۔
"مجھے ناظم صاحب نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ بات بھی بتا دی ہے جو تمھیں نہیں معلوم۔"

"کون سی بات؟" توشو نے پوچھا۔

"تمھیں دو سال کی تربیت پوری ہونے سے پہلے ہی خلائی اسکول میں بھیجا جا رہا ہے، کیوں کہ نیشیا میں ان لوگوں کو پہلے بھیجا جائے گا جو کسی بھی چیز کے متعلق اپنے طور پر غور کر کے فیصلہ کر سکیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق فوراً غور کر کے فیصلہ کرنا ہوتا ہے، نئے سیارے پر تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی۔ چناں چہ وہاں پہلے ایسے لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے جن میں فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی قوت ہو۔ تمھارے ناظم صاحب نے مجھے بتایا کہ تم میں یہ صلاحیت ہے کہ تم کسی بھی چیز پر خود غور کر سکتے ہو اور فیصلہ کر سکتے ہو کہ کیا کرنا چاہیے۔ اسی لیے تمھیں وقت سے پہلے خلائی اسکول بھیجا جا رہا ہے تاکہ تمھیں وہاں تمھاری مرضی کے مطابق تربیت مل سکے۔ اس وقت تو تمھیں صرف اس لیے چھٹی ملی ہے کہ خلائی اسکول جانے سے پہلے تم گھر پر ایک آدھ مہینہ آرام کر لو۔ پھر تم خلائی اسکول چلے جاؤ گے، وہاں تربیت مکمل کر کے جب تم نیشیا پہنچو گے تو شاید تم سے پہلے ہم دونوں وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

پاپا کی زبانی یہ تمام تفصیل سُن کر توشو خوش ہو گیا۔

بعض نونہال مختلف تحریریں ایک ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہر تحریر مثلاً سوال، تحفے، کہانی، بزم کے لیے خط، غرض ہر چیز الگ الگ کاغذ پر لکھنی چاہیے اور کاغذ کی صرف ایک طرف۔ البتہ ایک لفافے میں آپ بہت سے کاغذ رکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

دمے کی بیماری

س : میرے والد صاحب کی عمر ۵۰ سال ہے ۔ انھیں دمے کی بیماری ہے ۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں ۔
عبدالرشید راہی، کالاباغ

ج : برگِ تلسی خشک ۶ گرام، دمہ بوٹی ۶ گرام، سپستان ۷ دانے ان تینوں جڑی بوٹیوں کو پانی میں جوش دے کر ذرا سا شہد ملا کر صبح اور رات پینے سے دمے کو فائدہ ہوتا ہے ۔ اگر یہ نہ مل سکیں تو ربوبین ایک قرص ہمراہ لعوقِ سپستان ۱۲ گرام پانی میں گھول کر صبح اور رات پیئیں ۔ "صدوری" گاہے گاہے پیتے رہیں، قبلہ والد صاحب کو تازہ ہوا میں کھڑے ہو کر صبح کئی منٹ تک خوب گہرے سانس لینے چاہییں ۔

کیل مہاسے

س : میری عمر ۱۵ سال ہے ۔ میرے منھ پر کیل نکل رہے ہیں اور میں ان سے بہت پریشان ہوں ۔ ازراہِ کرم کوئی نسخہ بتائیں ۔
عبدالرزاق آرائیں، حیدرآباد

ج : شاید صافی سے آپ کو فائدہ ہو جائے ۔ آپ اس کی دو تین شیشیاں پی ڈالیے ۔ صافی خون صاف کرنے کی قدرتی دوا ہے، لیکن اگر آپ دوا پینا نہیں چاہتے تو پھر اپنی غذا میں گوشت بند کر کے سبزیوں پر توجہ کیجیے ۔ پانی زیادہ پینا چاہیے ۔ مرچ مسالے بھی مناسب نہیں ہوں گے

موذی مرض

س: میری عمر ۱۹ سال ہے اور میں ایک موذی مرض میں مبتلا ہوں جو خونی بواسیر کہلاتا ہے۔ (پاخانے میں خون آتا ہے، تقریباً ہر دفعہ آتا ہے) ازراہِ کرم کوئی مستقل علاج تجویز فرمائیں۔

محمد آصف علی، کہروڑپکہ

ج: ایک تو یہ کہ اب کسی بھی صورت میں قبض نہیں رہنا چاہیے۔ غذا کو ایسی رکھیں کہ جو قابض نہ ہو، پانی زیادہ پینا چاہیے اور روٹی بہرحال بے چھنے آٹے کی ہی ہونی چاہیے۔ دوا یہ ہے:

صبح: حبِ بواسیر خونی دو عدد شربت ادرزانی ۱۸ گرام کے ساتھ پانی میں گھول کر اسپغول مُسلّم ۶ گرام چھڑک کر پی لیں۔

بعد غذا: نیموٹیب ۱-۱ عدد دو وقت کھانے کے بعد

شام: رات کو گل قند آفتابی ۲۴ گرام نیم گرم پانی کے ساتھ۔

لگانے کے لیے نیمو رائڈ مرہم۔

کم زور نظر اور عرق گلاب

س: میری نظر کم زور ہے۔ میری آنکھوں سے پانی بہتا ہے۔ اس کے لیے دیسی دوا کون سی مفید ہے۔ ایک معالج نے مجھے پھٹکری اور عرقِ گلاب ملا کر آنکھوں میں ڈالنے کو کہا ہے کہ اس سے پانی بہنا بند ہو جائے گا۔ میرے خیال میں پھٹکری آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

محمد ارشد، ساہی وال

ج: نہیں پھٹکری گلاب آنکھوں کے لیے فائدہ مند ہے، لیکن یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اس کی تیاری میں کوئی بے احتیاطی کی جائے۔ آپ صرف عرقِ گلاب کو روزانہ آنکھوں میں ٹپکائیں۔ اس سے بھی فائدہ ہو جائے گا۔

باریک آواز

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ آواز باریک اور پھنسی پھنسی نکلتی ہے۔ میں ہر ایک سے کم بولتا ہوں، کلاس میں اونچی آواز سے پڑھ یا بول نہیں سکتا، جس کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

ندیم، کراچی

ج: ممکن ہے کہ آپ زمانۂ طفولت (بچپن) سے بلوغت (بالغ ہونے) کے زمانے سے گزر

رہے ہوں۔ ایسے وقت میں آواز پر اثر پڑتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو انتظار کر لیجیے۔ چند ماہ میں یہ آواز خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔ ویسے آپ بولنے سے شرمائیں نہیں۔

کیلوں میں پیپ

س: میرا خون خراب معلوم ہوتا ہے، کیلیں (مہاسے) جن میں بعد میں سفید پیپ بھر جاتی ہے نکلتی رہتی ہے۔ برائے مہربانی یہ بتائیے کہ خون کو صاف کرنے کے لیے صافی کیسے استعمال کرنی چاہیے؟ محمد پرویز، شرقپور خورد

ج: صافی کی ایک بڑی خوراک چائے والے دو چمچے ہیں، رات کو ایک خوراک پانی میں گھول کر پینی چاہیے۔ مہاسوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

گھٹنے میں کم زوری

س: کبھی کبھی چلنے میں گھٹنے میں بڑی کم زوری سی محسوس ہوتی ہے۔ چلنا مشکل ہو جاتا ہے؟
محبوب عالم شاہین، ہارون آباد

ج: سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا صورت ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی گھٹنے میں کوئی چوٹ لگی ہو اور اس کی وجہ سے چپنی کی ہڈی میں کوئی خرابی آگئی ہو، شاید ایکس ریز سے حالت بہتر معلوم ہو سکے۔

کتنی چائے

س: ویسے تو چائے صحت کے لیے مُضر ہے، لیکن اگر مجبوری ہو تو ایک دن میں کم از کم کتنے کپ چائے کے پینے چاہییں جو صحت کے لیے زیادہ نقصان دہ نہ ہو؟ رضوانہ احمد، نوابشاہ

ج: مجبوری میری سمجھ میں بالکل نہیں آتی! میں بھی انسان ہوں، زندگی میں کبھی چائے کو منھ نہیں لگایا ہے۔ کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں چائے کو زیادہ مضر تو نہیں کہتا۔ پھر بھی یہ جسم کی ضرورت نہیں ہے۔ اب رہا کتنی پی جاسکتی ہے تو اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں کہ ۱۵۔۲۰ کپ روز پی جاتے ہیں اور ایسے شریف بھی ہیں کہ بس تازہ دم ہونے کے لیے ایک دو کپ پر قناعت کر لیتے ہیں۔ میری رائے میں چائے کی اولین خرابی یہ ہے کہ یہ پاکستان میں نہیں پیدا ہوتی، دوسرے ملکوں سے آتی ہے۔ ہم اتنا قیمتی زرِ مبادلہ اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ہم غریب ہیں۔ اچھا ہے کہ چائے نہ پییں۔

مُنّا

سرور بجنوری

منّا جس وقت مسکراتا ہے — دیکھ کر اس کو پیار آتا ہے

اس کے منھ میں ہے دودھ کی شیشی — اور کوئی نہیں غذا اس کی

وہ سمجھتا ہے سب اشاروں کو — غور سے دیکھتا ہے تاروں کو

چارپائی پہ وہ مچلتا ہے — گود میں لینے سے بہلتا ہے

چین پاتا نہیں وہ بستر پر — جھُولنا جھولتا ہے خوش ہو کر

وہ تماشے عجیب کرتا ہے — ہاتھ پر ہاتھ خوب دھرتا ہے

کوئی اس کو اگر ستاتا ہے — امّی امّی کی رٹ لگاتا ہے

سَر سے ٹوپا اُتار دیتا ہے — یوں ہوا کی بہار لیتا ہے

جب گھسٹ کر زمیں پہ چلتا ہے — مٹّی سارے بدن پہ ملتا ہے

گو نہیں کھولتا زباں اپنی — پوری ہوتی ہیں خواہشیں پھر بھی

مارتا ہے پلنگ پر ٹانگیں — کتنی پیاری ہیں مختصر ٹانگیں

پھول کی طرح چہرہ کھلتا ہے

اس سے مِل کر سُرور ملتا ہے

ماں

اے حمید

کسی گاؤں میں ایک نیک دل زمین دار رہتا تھا۔ اس زمین دار کے پاس ایک بڑی ہی پیاری گائے تھی، جس کا ایک بادامی رنگ کا بچھڑا بھی تھا۔ زمین دار کے بچّے اس گائے سے بڑا پیار کرتے تھے۔ وہ زمین دار کے بچّوں کو اپنا دودھ پلاتی۔ ایک بار اس گاؤں میں زبردست سیلاب آگیا۔ برسات کی اندھیری رات تھی۔ ہر طرف سنّاٹا تھا۔ جوہڑوں اور تالابوں میں مینڈک ٹرا رہے تھے۔ مکانوں کے اندر جھینگر شور مچا رہے تھے۔ آسمان کالے کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بارش ابھی ابھی ہو کر تھمی تھی۔ گاؤں والے سردی ہو جانے کی وجہ سے اپنے اپنے مکانوں میں میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ مچھر انھیں تنگ کر رہے تھے، مگر زیادہ محنت

زمین دار کے بچّے گائے سے بڑا پیار کرتے تھے۔

کرنے کی وجہ سے دیہاتیوں کو گہری نیند آتی ہے، اس لیے انھیں مچھروں کے کاٹنے کی بالکل خبر نہ تھی۔

اس وقت اچانک دریا چڑھنا شروع ہو گیا اور سیلاب کے پانی کی ایک بہت بڑی لہر نے دریا کے کنارے پر سے اُچھل کر گاؤں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ پہلے تو پانی کھیتوں میں داخل ہوا اور جب کھیت بھر گئے تو وہ گاؤں کی کچّی گلیوں میں آ گیا اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ گاؤں میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور سیلاب کا پانی لوگوں کے مکانوں کے اندر آ گیا۔

اتفاق سے زمین دار والے گھر میں کوئی بچّہ رو پڑا۔ ماں نے اُسے تھپک تھپک کر سُلانا چاہا مگر بچّے نے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ زمین دار خود اُٹھ کر پانی لینے باہر نکلا تو وہ پنڈلیوں تک پانی میں پھنس گیا۔ اس نے ایک دم شور مچا دیا:

"نیلی کی ماں، پانی .... سیلاب آ گیا... سیلاب آ گیا!" بس اتنا کہنا تھا کہ گھر کے تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور جس کے ہاتھ میں جو کچھ آیا اسے پکڑ کر گاؤں سے باہر ریلوے لائن کی طرف چل پڑے۔ اب دوسرے گھر والے بھی جاگ چکے تھے اور افراتفری اور پریشانی کے عالم میں بستر گٹھڑیاں، برتن اور چرخے سروں پر اُٹھائے گھٹنے گھٹنے پانی میں سے گزرتے ہوئے ریلوے لائن والے پُل کی طرف جا رہے تھے۔ سیلاب کا پانی آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور تھوڑی سی دیر میں اس نے گاؤں کے کچّے مکانوں کو ڈھانا شروع کر دیا۔ گاؤں کے سب لوگ اپنی اپنی جانیں بچا کر ریلوے پُل کی طرف جا چکے تھے۔ زمین دار کی بیوی اور بچّے جب ریلوے پُل پر پہنچے تو زمیں دارنی نے اچانک دیکھا کہ اس کی پانچ سالہ ریشم غائب ہے۔ وہ تو بے چاری سر کو پکڑ کر بیٹھ گئی اور رونے لگی:

"ہائے میری بچّی کہاں چلی گئی۔ ہائے وہ کوٹھے پر سو رہی تھی۔ ہائے اب اسے کون بچائے گا۔"

واقعی اب اسے بچانے کون جاتا۔ سیلاب کا پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا بڑی تیزی سے بہ رہا تھا۔

زمیں دار نے سر پر ہاتھ مار کر کہا: "ارے گائے بھی وہیں رہ گئی۔ اب کیا ہو گا؟ اب

زمیں دار اور اس کی بیوی اور دیگر لوگوں نے ریشم کو گائے پر آتے دیکھا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔

ان دونوں کو وہاں سے کون لائے۔ گائے کے ساتھ تو اس کا بچھڑا بھی تھا اور وہ دونوں زمین میں گڑی ہوئی میخ کے ساتھ بندھے ہوئے تھے"۔ چند ایک نوجوانوں نے جب یہ ماجرا سُنا تو ہمّت کر کے پانی میں چھلانگ لگا دی مگر ابھی تھوڑی دُور یعنی آم کے درختوں کے پاس ہی گئے ہوں گے کہ سیلاب کے تیز رفتار پانی نے انھیں واپس آنے پر مجبور کر دیا۔

جب وہ بھی واپس آ گئے تو زمیں دار نی زار و قطار رونے لگی کہ اب میری بچّی کو کون بچائے گا۔ کیا خبر مکان کی چھت ڈھے گئی ہو اور بچّی پانی میں ڈوب گئی ہو۔ غرض وہ زور زور سے رونے لگی۔

اب اِدھر کیا ہوا کہ زمیں دار کی بیٹی ریشم نے دیکھا کہ پانی نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا ہے اور گاؤں میں کوئی بھی باقی نہیں رہا ہے تو وہ بے چاری کوٹھے پر ایک کونے میں بیٹھ کر رونے لگی۔ دوسری طرف جب گائے نے محسوس کیا کہ سیلاب کا پانی اس کی گردن تک پہنچ گیا ہے تو اس نے زور سے ایک جھٹکا مارا اور رسّی تڑا کر اپنے بچھڑے کو بچانے چل

نکلی۔ اس کا بچھڑا ابھی اسی طرح رسّی کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور پانی کی سطح پر پاؤں مار رہا تھا۔ اسی کی گردن رسّی کی وجہ سے نیچے ہی نیچے چلی جا رہی تھی اور پانی اوپر ہی اوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پہلے تو بے زبان ماں نے اپنے بچّوں کے چاروں طرف دو تین چکر کاٹے۔ پھر ڈبکی لگا کر رسّی کو منھ میں لیا اور بڑے زور کا جھٹکا دے کر بچھڑے کی رسّی بھی توڑ ڈالی۔ اب دونوں بالکل آزاد تھے اور آہستہ آہستہ ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے ریلوے پُل کی طرف چل پڑے۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ اچانک گائے نے ریشم کی آواز سُنی جو مدد کے لیے پُکار رہی تھی۔ بھلا گائے اپنے مالک کی بچّی کی آواز کیسے نہ پہچانتی، فوراً بچھڑے کو ساتھ لیا اور مکان کی طرف واپس مُڑ گئی۔ جب وہ مکان کے پاس پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ ننھّی ریشم چھت پر دُبکی بیٹھی ہے اور رو رہی ہے۔ گائے نے اپنے بچّے کے ساتھ چھت کے اردگرد دو ایک چکر لگائے اور پھر چھت کی منڈیر کے ساتھ کھڑی ہو کر ریشم کی طرف دیکھ کر بولنے لگی۔ جیسے اسے کہہ رہی ہو "ریشم جلدی آ کر مجھ پر سوار ہو جاؤ۔"

ریشم نے جب گائے کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آگئی۔ فوراً اُٹھ کر گائے کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ جب گائے نے محسوس کیا کہ اس کے مالک کی بیٹی پوری طرح اس پر بیٹھ گئی ہے تو وہ اپنے بچّے کو ساتھ لے کر پُل کی طرف چل پڑی۔ دُور سے جب زمیں دار کی بیوی اور زمیں دار اور دوسرے لوگوں نے گائے پر سوار ریشم کو دیکھا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگوں نے جلدی سے پانی میں کُود کر بچّی کو تھام لیا اور گائے کو لے کر کنارے پر آگئے۔

زمیں دارنی تو گائے سے لپٹ گئی اور اس کا منھ چومنے لگی۔ گائے نے بڑی بڑی اور محبّت کرنے والی آنکھوں سے اپنی مالکن کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، "تم بھی ماں ہو، میں بھی ماں ہوں۔"

مٹاپا بھی اچھی چیز ہے

یوسف ناظم

نام تو ان کا جمیل تھا، لیکن گھر میں، محلے میں، بازار میں اور مدرسے میں سب ہی لوگ انھیں صرف "جمّو" "جمّو" ہی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ (ایک مرتبہ "جمّو" کہا جائے تو یہ کبھی نہیں سنتے تھے) ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ عمر ہو گی یہی کوئی ۱۱-۱۲ سال، لیکن بہت وزنی تھے۔ جب بھی انھیں تولا گیا ۵۵ کلو سے کم پر سوئی نہیں ٹھیری۔ ان کے ساتھی انھیں ہمیشہ ٹوکا کرتے کہ میاں، بار بار مشین پر مت چڑھا کرو، بگڑ جائے گی۔ گول مٹول بھی تھے۔ شمال کی طرف بڑھنے کے بجائے یہ مشرق اور مغرب میں زیادہ پھیل رہے تھے۔ ہر ۴-۶ مہینے کے بعد ان کے

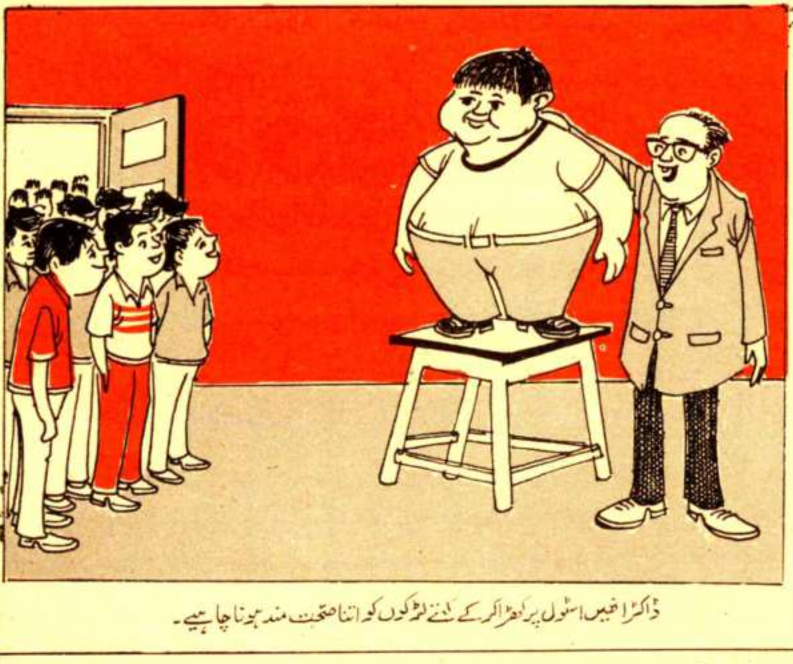

ڈاکٹر انھیں اسٹول پر کھڑا کر کے بتانے لڑکوں کو اتنا صحت مند ہونا چاہیے۔

کپڑوں کی مرمت ضروری تھی۔ ادھڑے جاتے اور پھر سیے جاتے۔ نئے کُرتے پاجامے سِلتے تو ان میں اتنی گنجائش رکھی جاتی کہ ایک جوڑا اور سِل جائے۔ ان کے بھائی بہن ان کے مٹاپے سے پریشان رہتے تھے۔ بہنیں تو روتی بھی تھیں۔ آخر کپڑے تو انھیں ہی ٹھیک کرنے پڑتے تھے۔ کھانے کا انھیں زیادہ شوق نہیں تھا۔ بس دن میں پانچ چھے مرتبہ کھانا کھالیا پیٹ بھر گیا۔ بیچ بیچ میں بھی کچھ کھا پی لیتے تھے۔ بہت صفائی پسند تھے۔ ان کی امی کو نعمت خانہ صاف کرنے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ اپنا بستر، میز، کتابیں صاف کریں یا نہ کریں نعمت خانہ ضرور صاف کر دیتے تھے۔ صحن میں، سائبان میں یا کسی کُھلی جگہ چلتے تو لوگوں کو اطمینان رہتا تھا۔ باورچی خانے یا کسی کمرے میں جب بھی چلے کوئی نہ کوئی سامان ضرور گرا۔ سامنے کی طرف چلنا انھیں اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہمیشہ دائیں یا بائیں چلتے۔ سڑک پر بھی چلتے تو کیا مجال کہ پیچھے چلنے والا کوئی شخص ان سے آگے نکل جائے۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ دائیں طرف سے نکلے یا بائیں طرف سے۔

اسکول میں جب بھی بچّوں کا ڈاکٹری معائنہ ہوتا ڈاکٹر انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے انھیں اسٹول پر کھڑا کر دیتے اور سب سے کہتے کہ دیکھو، لڑکوں کو اتنا صحت مند اور تن درست ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ جب انھیں اسٹول پر کھڑا کیا گیا تو اسٹول ہی ٹوٹ گیا۔ اسکول کے چپراسی کو کئی دن بیٹھنے کو اسٹول ہی نہیں ملا۔ بے چارا کسی پرانے کھوکھے پر دری بچھا کر بیٹھا کرتا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو دن میں چار مرتبہ سلام کرتا۔ دوسری مرتبہ انھیں نمائش کے لیے میز پر کھڑا کیا گیا اور جب تک یہ میز پر کھڑے رہے وہ بھی ہلتی رہی۔ اس کے بعد خود ہی انھوں نے ڈاکٹروں سے کہہ دیا کہ اب وہ میز کرسیوں پر نہیں چڑھا کریں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ جُمّوٗ جُمّوٗ بڑے ہونے کے بعد گول مٹول ہوتے یہ بچپن ہی سے ایسے تھے۔ خوب موٹے موٹے گال تھے ان کے۔ کبھی کسی کی دو انگلی میں نہیں سمائے۔ اس عمر میں بھی ان کے دبیز گالوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی، اور یہ جب بھی بات کرتے ہونٹوں کے ساتھ ان کے گال بھی ضرور حرکت میں آجاتے۔ ان کے استاد کہا کرتے تھے کہ جُمّوٗ جُمّوٗ اپنے منھ سے نہیں، اپنے گالوں سے بات کرتے ہیں۔

کمال تو یہ ہے کہ انھیں ٹھیک سے چلنا نہیں آتا تھا اور شوق تھا بھاگنے کا۔

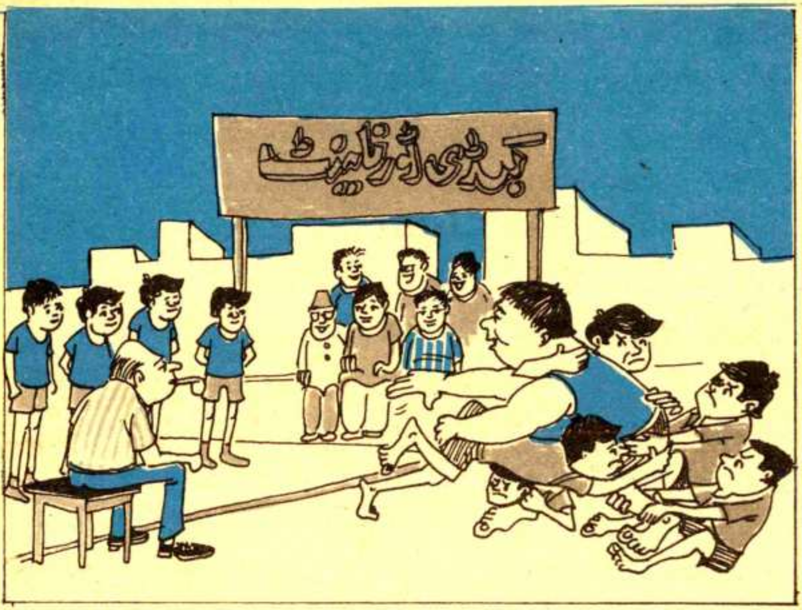

انھیں کبڈی کا چیمپئن مان لیا گیا۔

بھاگتے تو ایسا معلوم ہوتا کوئی تربوز لڑھک رہا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ بھاگنے کی کوشش میں ہر دو قدم پر گرے نہ ہوں۔ جب بھی یہ گھر واپس ہوتے یا تو ان کی کہنیاں چھلی ہوئی ہوتیں یا گھٹنے زخمی ہوتے۔ گھر میں ان کے لیے ٹنکچر آیوڈین، نورانی نیل وغیرہ قسم کی چیزیں ہمیشہ رکھی رہتیں۔ کھیل کود سے ان کی دل چسپی جب بہت بڑھ گئی اور یہ رات دن لڑھکتے اور زخمی ہوتے نظر آئے تو انھیں مشورہ دیا گیا کہ یہ رسّا کشی کے مقابلے میں حصّہ لیا کریں اور ٹیم کے محافظ کی حیثیت سے سب سے پیچھے کھڑے ہوں۔ رسا ان کی کمر کے گرد لپیٹ دیا جاتا اور یہ بُت بن کر کھڑے ہو جاتے۔ بالکل مجسمہ نظر آتے۔ مدرسے میں جب بھی رسّا کشی کے جماعت واری مقابلے ہوئے ان کی ٹیم ہی فتح یاب ہوئی اور سکندرِ اعظم شیلڈ کی مستحق قرار پائی۔ دس کے دس کھلاڑیوں کے قدم لڑکھڑا جاتے، لیکن جُموّ جُموّ اپنی جگہ جمے رہتے۔

پھر کسی نے انھیں مشورہ دیا کہ تم کبڈی بھی کھیل سکتے ہو، کیوں کہ کوئی تمھیں پکڑ ہی

نہیں سکتا۔ انھوں نے کبڈی کھیلنا شروع کر دیا۔ مخالف ٹیم کا کھلاڑی دوڑتا آتا اور یہ سب سے پہلے آؤٹ ہو جاتے۔ ہل ہی نہیں پاتے تھے۔ مارے جاتے اور باہر جا کر بیٹھ جاتے۔ مخالف ٹیم کا کھلاڑی آؤٹ ہوتا اور یہ دوبارہ تشریف لاتے، لیکن صرف واپس جانے کے لیے۔ پھر بھی انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ایک مرتبہ جب انھیں مخالف ٹیم کے علاقے میں داخل ہو کر کبڈی کبڈی کہنے کا موقع ملا اور یہ پکڑے گئے تو یہ غنیم کے پانچ کھلاڑیوں کے ساتھ گھسٹ کر لائن تک آ گئے۔ اس دن سے انھیں کبڈی کا بھی چیمپین مان لیا گیا۔ پھرتی ان میں تھی نہیں، لیکن وزن تو تھا اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ کبڈی میں صرف پھرتیلا ہونا کافی نہیں، وزن دار ہونا بھی ضروری ہے۔

ایک مرتبہ تو انھوں نے کمال ہی کر دیا۔ اُدھر سے کبڈی کبڈی کہتا ہوا ایک ان کی ریاست میں داخل ہوا اور ان کے ساتھیوں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ بھی خوب بنا ہوا تھا۔ دَم دار بھی تھا۔ زمین پر گر پڑا کبڈی کبڈی کرتا رہا اور لائن پار کرنے کی نوبت پر تھا کہ انھوں نے کچھ اس طرح اس کی گردن پر ہاتھ رکھا کہ اس کے منھ سے کبڈی کبڈی کی آواز تو ایک طرف رہی، سانس چلنے کی آواز بھی مشکل ہی سے سنائی دی۔ ان کا یہ کارنامہ کھیل کے قاعدے میں فٹ نہیں ہوتا تھا، لیکن ان کے ہاتھ کی صفائی ریفری کو نظر ہی نہیں آئی۔ اُس دن سے یہ کبڈی کے گردن ناپنے والے کھلاڑی مشہور ہو گئے۔ جسم پر پھنسی پھنسی بنیان اور نیکر پہن کر جب بھی یہ کبڈی کے میدان میں اُترتے ہر طرف سے سیٹیاں اور تالیاں بجنے لگتیں۔ اس لباس میں ان کی تصویریں کھینچ کر ہوزری فروخت کرنے والوں نے اپنی دُکانوں پر لگا دیں اور تصویر کے نیچے لکھ دیا کہ بڑے سے بڑے سائز کا بنیان اور نیکر ہمارے ہاں مل سکتے ہیں۔ ہم کہیں گے تو شاید کوئی یقین نہیں کرے گا، لیکن ٹی شرٹ بنانے والی ایک کمپنی نے تو ان کی تصویر ہی اپنی ٹی شرٹ پر چھاپ دی اور انھیں ایک درجن ٹی شرٹ تحفے میں پیش کیں (ساتھ میں خشک میوے کا ایک ڈبّا بھی تھا اور جُموّ جُموّ کو یہی ڈبّا زیادہ پسند آیا) ہوزری کارخانے والے تو انھیں دہا بلیشور بھی بھیجنے کے لیے تیار تھے، کارخانے کے خرچ پر۔ لیکن جُموّ جُموّ کے والدین ہی راضی نہیں ہوتے۔ جس دن ٹی شرٹ کا تحفہ ان کے گھر پہنچا اُن کی بہنیں بہت خوش ہوئیں کہ چلو اب تو ان کے کُرتے نہیں سینے پڑیں گے۔ انھوں نے ان سے کہہ بھی دیا کہ میاں اب اپنا

جسم کچھ دن اسی ٹی شرٹ کے مطابق رہنے دو، ورنہ یہ سب شرٹیں ضائع ہو جائیں گی۔ زیادہ پھیلنا مت۔ جُمّو جُمّو اس نصیحت پر اپنے دونوں گالوں سے مسکرائے۔

لیکن جمو جمو اپنی حالات سے خوش نہیں تھے۔ ان کا دل رسّا کشی اور کبڈی جیسے کھیلوں میں نہیں لگتا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ جب وہ اپنے اس مٹاپے کے ساتھ کام کے آدمی بن سکتے ہیں تو مٹاپا دُور کرنے کے بعد وہ کتنے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب بھی وہ اخباروں اور رسالوں میں فُٹ بال اور ہاکی کے کھلاڑیوں کی تصویریں دیکھتے تو ان کا دِل مچل جاتا اور وہ چاہتے کہ کاش وہ ایسے ہی سڈول ہوتے تو فُٹ بال ٹیم کے کپتان بن کر میئر کے ہاتھوں سے گولڈن شیلڈ لیتے اور اخباروں کے فوٹو گرافر کلِک کلِک ان کی تصویریں کھینچتے۔

اور ایک دن ان کے جی میں کیا آئی کہ وہ صبح سویرے پانچ بجے اُٹھ بیٹھے، ٹی شرٹ اور نیکر پہن کر گھر سے باہر نکل پڑے اور سمندر کی سمت چل دیے۔ سمندر میں کُود پڑنے کے لیے نہیں بلکہ اُچھل کُود کے لیے۔ کسی نے ان سے کہا تھا کہ تن درست اور سڈول رہنے کے لیے جاگنگ (اُچھل کُود) ضروری ہے۔ اتنی صبح انھیں کوئی دیکھنے والا تھا بھی نہیں۔ دو چار لوگوں نے دیکھا اور ہنسے بھی، لیکن انھوں نے پروا نہیں کی۔ کُودتے رہے (زمین ہلتی رہی)۔ اِدھر گھر میں انھیں ہر طرف ڈھونڈا گیا تو کہیں نہیں پائے گئے۔ سب پریشان کہ جُمّو جُمّو رات کو تو بستر میں تھے۔ صبح سویرے انھیں کون اُٹھالے گیا۔ (جیسے انھیں کوئی لے بھی جا سکتا تھا)

گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد یہ واپس آئے تو سارا گھر ان کے گرد جمع ہو گیا۔ (جیسے یہ کوئی شمع ہوں اور دوسرے سب پروانے)۔ انھیں پسینے پسینے دیکھ کر سب لوگ اور بھی پریشان ہوئے۔ ہر شخص سوال کر رہا ہے اور یہ ہیں کہ بس کھڑے ہانپ رہے ہیں۔ بڑی دیر بعد یہ سب کو بتا سکے کہ کہاں گئے تھے اور کیوں گئے تھے۔

بھائی بہنوں نے پوچھا کہ تم دُبلے کیوں ہونا چاہتے ہو اور امی نے تو کہا، تم موٹے ہو ہی کہاں۔ دُبلے ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھیں کیا شہر کا قاضی بننا ہے؟ لیکن جُمّو جُمّو نے طے کر لیا تو طے کر لیا۔

دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے جُمّو جُمّو سچ مچ کے جمیل بن گئے۔ قد بھی نکل آیا اور مٹاپا

چھٹ چھٹا کر پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ یہ فُٹ بال بھی کھیلنے لگے اور سو گز کی دوڑ میں تو جب دیکھو پہلا یا دوسرا انعام لیے چلے آرہے ہیں اور ایک وقت تھا جب یہی جُموّ جُموّ خود فٹ بال کی طرح لڑھکتے تھے اور سو گز دوڑنا تو دُور پانچ گز بھی مشکل ہی سے دوڑ پاتے تھے اور ان کے ساتھی اتنے ہی وقت میں سو گز کی دوڑ مکمل کر کے کپڑے وپڑے بھی پہن لیتے۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ اسکول کے سنہری دن اور لڑکوں کی رو پہلی ہنسی۔ جن لڑکوں کو کبھی ہنسنا نہیں آیا جُموّ جُموّ کو دیکھ کر ضرور ہنسے۔ تھوڑا ہی سہی، لیکن ہنسے ضرور۔

پھر یہ ہوا کہ اسکول کی تعلیم ختم ہوئی تو سب ساتھی اِدھر اُدھر ہو گئے۔ کوئی نوکری سے لگ گیا۔ کوئی شادی کر بیٹھا۔ کسی نے ڈاکٹری پڑھنے کے لیے چار پانچ جگہ فیسیں بھریں۔ وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کرتا رہا۔ کہیں نہیں رُکا۔ لوگ اس کے ساتھ چل رہے ہیں یا نہیں وقت نے کبھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا (اور اس کی پیٹھ پر آنکھیں بھی نہیں ہیں) دن ہفتے بنے، ہفتے مہینے بنے، اور مہینے سال۔ اس طرح کئی سال گزر گئے اور ایک دن جب ہم کسی اخبار میں اسپورٹس کالم کی خبریں پڑھ رہے تھے تو اچانک ہماری نظر ایک تصویر پر ٹھیر گئی۔ کسی بڑے ٹورنامنٹ کے تقسیم انعامات کے جلسے کی تصویر تھی، جس میں ایک بیس بائیس سال کا تن درست نوجوان شہر کے میئر کے ہاتھوں سے فُٹ بال شیلڈ لیتا ہوا نظر آرہا تھا۔ نوجوان کی شکل دیکھی بھالی معلوم ہوئی۔ خبر پڑھی تو دل خوشی سے بلّیوں اُچھلنے لگا۔ (دل بلّیوں اُچھلتا ضرور ہے، لیکن اپنی جگہ پر ہی رہتا ہے، کیوں کہ یہ دل ہے کوئی فُٹ بال نہیں) لکھا تھا:

"ایف سی کالج، چانسلر کپ فٹ بال ٹورنامنٹ میں فتح یاب۔ کالج ٹیم کے کپتان جمیل جو شہر میں جُموّ جمیل کے نام سے مشہور ہیں، ٹورنامنٹ کے سب سے بہتر کھلاڑی مانے گئے انھیں خصوصی انعام بھی دیا گیا۔

خبر پڑھ کر ہم صرف دو مرتبہ باغ باغ نہیں چار باغ ہو گئے اور اس بات پر بھی ایمان لے آئے کہ مٹاپا بھی اچھی چیز ہے بشرطے کہ اسے چھانٹا جائے۔

(پیامِ تعلیم کا شکریہ)

****

اگر تم نے اپنے بیٹے کو اچھے ڈھنگ سکھائے ہوتے تو آج یہ نوبت نہیں آتی۔
داروغہ جی، میں تو اس نالائق کو بہت کچھ سکھاتا ہوں، لیکن یہ سمجھتا ہی نہیں، ہر بار پکڑا جاتا ہے۔

ہاں اب وہ عجیب و غریب خواب بیان کرو، جو تم مجھے سنانے کے لیے اتنی دیر سے بے چین تھے۔
وہ ناقابلِ یقین خواب یہ ہے کہ ایک پولیس والے نے ایک شہری سے رشوت لینے سے انکار کر دیا۔

اچھّی چڑیا

شاکر عثمانی

گھنے جنگل کے درمیان ایک بہت بڑے درخت پر ایک چڑیا اور اس کے چڑے نے اپنا گھونسلا بنا رکھا تھا۔ یہ درخت کافی گنجان تھا۔ ان کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک دوسری موٹی سی شاخ پر ایک اور گھونسلا تھا۔ اس میں بھی کالی چڑیوں کا ایک جوڑا رہا کرتا تھا۔ چڑیا کی طرح دوسرے گھونسلے میں بھی انڈے موجود تھے۔ دونوں گھونسلوں میں انڈوں کی حفاظت کا اچھی طرح سامان کیا گیا تھا۔ انھیں روزانہ دانے کی تلاش میں جانا پڑتا تھا۔ انڈوں کی حفاظت کے لیے وہ یہ کرتے کہ اگر چڑیا باہر جاتی تو چڑا انڈوں کی حفاظت کیا کرتا اور اگر چڑا غذا کی تلاش میں نکلتا تو چڑیا انڈوں پر بیٹھ جاتی۔

اس دن بھی چڑیا دانے کی تلاش میں باہر گئی تھی اور چڑا انڈوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ سامنے والے گھونسلے پر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا۔ وہ لوگ ان کی برادری کے تو تھے مگر نسل میں فرق تھا۔ اس لیے الگ الگ رہا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے معاملات میں دل چسپی نہیں لیتے تھے۔ سامنے والے گھونسلے میں کالی چڑیاں رہا کرتی تھیں وہ ان سے کچھ بڑی نسل کے پرندے تھے۔ اس وقت سامنے والے گھونسلے میں کالی چڑیا موجود تھی اور اپنے انڈوں کو سے رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی کسی ضرورت سے باہر نکلی۔ دُور کسی شاخ پر ایک کوّا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں گھونسلوں کو تاک رہا تھا۔ جوں ہی اس نے ایک گھونسلا خالی دیکھا کوّا فوراً اُڑ کر اس گھونسلے تک پہنچ گیا۔ چڑا اگر چاہتا تو کوّے کو روک سکتا تھا۔ کم سے کم وہ شور مچا دیتا تب بھی سامنے والی چڑیا کو خبر ہو جاتی اور وہ فوراً ہی اپنے گھونسلے میں آجاتی۔

کوّے نے جب میدان خالی دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ گھونسلے میں کالی چڑیا کے دو سفید سفید انڈے دُور ہی سے نظر آرہے تھے۔ چڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ ایک بار تو اس کے جی میں آئی کہ کوّے کو اس کی حرکت سے روکنے کی کوشش کرے۔ فاصلہ

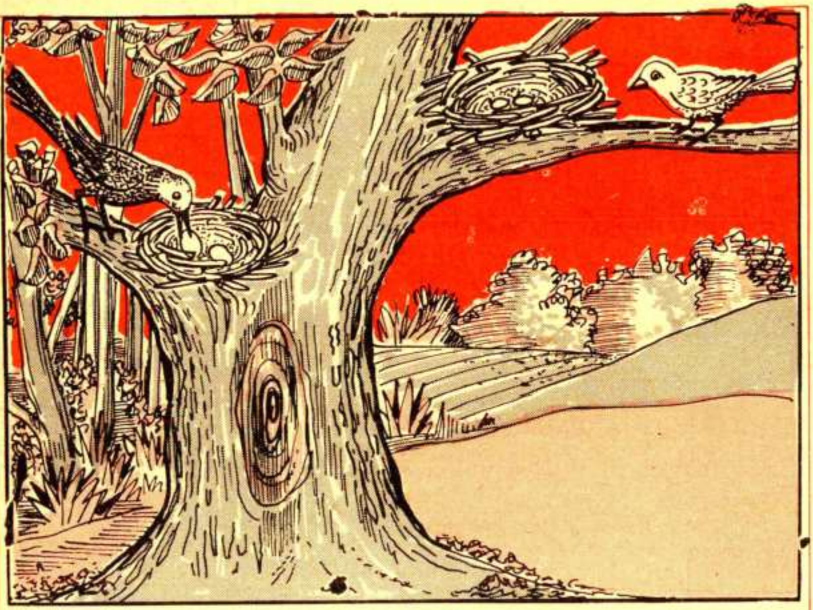

کالی چڑیا ضروری کام سے باہر گئی تو کوّے نے اس کے انڈے کھا لیے۔

کچھ زیادہ بھی نہیں تھا۔ چڑا اگر چاہتا تو کوّے کو آسانی سے روک سکتا تھا، مگر پھر خود غرضی نے اسے بے پروا بنا دیا۔ اس نے سوچا کہ اگر میں کوّے کو روکنے گیا تو میرے انڈوں کی حفاظت کون کرے گا۔ کالی چڑیا ضروری کام سے باہر گئی تھی اور اسے کچھ دیر لگ گئی۔ اس دوران کوّے نے اس کے گھونسلے میں بیٹھ کر خوب مزے لے لے کر اس کے دونوں انڈے کھا لیے۔ چڑا سب کچھ دیکھتا رہا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ یہ تو دوسرے کا معاملہ ہے اس سے میرا کیا تعلق؟

شام کو جب چڑیا دانا لے کر آئی اور چڑا آزاد ہو گیا تو اس نے اپنی چڑیا کو سامنے والے گھونسلے کی رُو داد سُنائی کہ "کیا بتاؤں، کیسا بھیانک منظر تھا۔ کوّا گھات لگائے بیٹھا تھا اس درخت پر۔ مگر وہ ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے بے چاری چڑیا اس نالائق کو نہ دیکھ سکی۔ بس وہ ذرا دیر کے لیے باہر گئی تھی کہ ذلیل کوّا فوراً لپکا اور سیدھا کالی چڑیا کے انڈوں پر گیا اور پھر میرے سامنے ہی بیٹھ کر دونوں انڈے کھا لیے

کتنے افسوس کی بات ہے؟"

چڑیا اپنے شوہر کی بات سُن کر افسوس کرنے لگی۔ پھر اس کا پارہ چڑھ گیا۔ کہنے لگی، "کتنے شرم کی بات ہے، تم یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور تم نے کچھ نہیں کیا؟"

"میں کیا کرتا۔ بھلا میرا اس معاملے سے واسطہ ہی کیا تھا؟"

چڑا دکھاوے کے لیے افسوس ظاہر کرنے لگا۔ چڑیا کو اور بھی طرارہ آگیا:

"مرد ہو کر ایسی بزدلی کی باتیں کرتے تمھیں شرم نہیں آتی۔ تمھیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ کالی چڑیا کتنے دن سے اپنے انڈوں کو سے رہی تھی؟"

چڑا بولا، "ہاں واقعی انڈوں میں بچّے پڑ گئے ہوں گے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوّے نے دو بچّوں کو قتل کر دیا۔ اور تمھارے سامنے۔ اور ایک تم تھے کہ یہی سوچتے رہے کہ میرا اس سے کیا تعلق۔ فرض کرو، اگر ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو کیا ہوتا؟ کیا تم یہ نہ سوچتے کہ سامنے والوں کو تمھاری مدد کرنی چاہیے تھی۔"

"پیاری بیگم، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی خود غرضی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔"

چڑیا بولی، "صرف اس سے کام نہیں چلے گا۔ پھر وہ دونوں کالی چڑیا کے گھونسلے پر پہنچ گئے۔ کالی چڑیا اور اس کا شوہر انڈوں کے غم میں آنسو بہا رہے تھے۔

"نہ روؤ میری بہن۔ ہمیں تمھاری پریشانی کا احساس ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب صبر کرو۔" چڑیا نے پڑوسی چڑیا سے کہا۔

کالی چڑیا کو معلوم تھا کہ چڑا اُس وقت اپنے گھونسلے میں تھا جب کوّے نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھونسلے پر دھاوا بولا تھا۔ وہ جل کر بولی:

"بہن، رونا میرا اس لیے نہیں ہے کہ میرے دو انڈے، دو بچّے ضائع ہو گئے۔ بلکہ میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب ہم لوگ بے حد خود غرض اور بے حس ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ دشمن ہمیں ایک ایک کر کے ذلیل کر سکتا ہے، ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

چڑیا اس بات کو سمجھ گئی۔ وہ دل کی صاف تھی۔ وہ معافی چاہنے لگی:

"بہن! خدا کے لیے آپ ہمیں معاف کر دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ میرے شوہر کی کوتاہی تھی مگر اب وہ بھی اس بات پر شرمندہ ہیں۔"

چڑے نے بھی چیں چیں کر کے ہاں میں ہاں ملائی تو کالی چڑیا کو کچھ سکون ہوا۔ کالا چڑا اب تک خاموش تھا وہ کہنے لگا "ہمیں آیندہ کے لیے کچھ سوچنا چاہیے۔ اگرچہ میرے دو انڈے ضائع ہو چکے ہیں، لیکن اس نقصان سے یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں اپنی حفاظت کا پہلے سے کہیں زیادہ احساس ہو گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے بھائی چڑے؟"

چڑا کسی سوچ میں گم تھا۔ وہ سر اُٹھا کر بولا "اگر آپ لوگ ساتھ دیں تو ایک ترکیب میری سمجھ میں آتی ہے۔ ہم کوّے سے انتقام لے سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے چڑے کے کان میں اپنی اسکیم بتا دی۔

جب سے کوے کو کالی چڑیا کے انڈے ملے تھے وہ بہت خوش تھا اور اسے امید تھی کہ وہ دوسری چڑیا کے انڈے بھی کسی دن کھا لے گا۔ وہ روزانہ اس درخت پر چھپ

جوں ہی کوّا انڈوں پر جھپٹا، بچھو نے اس کی ٹانگ پر ڈنک مار دیا۔

کے بیٹھ جاتا تھا۔ اچھی چڑیا نے دُور دراز کا سفر کر کے آخر وہ زہریلا بچھو حاصل کر لیا جس کی اسے تلاش تھی۔ بچھو کو ان لوگوں نے چڑیا کے انڈوں کے پاس رکھ دیا تھا اور وہ چاروں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ جوں ہی کوّا جھپٹا اور انڈوں تک پہنچا۔ بچھو نے فوراً اس کی ٹانگ پر ڈنک مار دیا۔ کوّے نے پھڑپھڑا کر دم دے دیا۔ چاروں چڑیوں نے دیکھا کہ وہ اونچے درخت سے زمین پر گر رہا ہے۔

بوجھو تو جانیں —— اکتوبر کا جواب

جن جانوروں کے سامنے ستارے بنے ہوئے ہیں صرف وہ جانور سبزی خور ہیں۔ پانڈا کو عام طور پر سبزی خور سمجھا جاتا تھا، لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ وہ پستانیے (دودھ پلانے والے جانور)، پرندے اور مچھلیاں بھی کھاتا ہے۔

(۱) ★ خرگوش (۲) ★ زرافہ (۳) وھیل (۴) ★ بکری (۵) پانڈا (گربہ خرسک) (۶) ★ زیبرا۔ (۷) ★ گوریلا (۸) دریائی گھوڑا (۹) برفانی ریچھ (۱۰) ★ اوکافہ، افریقی زرافہ (ہرن اور زرافہ سے مشابہ جانور جو افریقہ میں ہوتا ہے) (۱۱) ★ امریکی چوہا (گنی پگ) (۱۲) چمگادڑ (۱۳) لگڑ بھگا (چرخ) (۱۴) چیتا

طب کی روشنی میں

سوالات بھیجنے والوں کے لیے

کالم طب کی روشنی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ آنے والے بے شمار خطوط سے ہو رہا ہے۔ اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج رہے ہیں جن کے جوابات رسالے میں شائع نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تاکہ انھیں خط کے ذریعے سے ضروری مشورہ دیا جا سکے۔ مطب ہمدرد کے ماہر اطبا کسی معاوضے کے بغیر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ جو نونہال اپنے سوالات کے جلد جواب چاہتے ہیں وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ

ہم نے آپ کے اعتمادِ کو برقرار رکھا ہے

نیشنل بینک آف پاکستان نے جمع شدہ رقوم پر قابلِ قدر منافع ادا کیا ہے۔ ہر چھ ماہ بعد ہم جس مستحکم شرح سے مُنافع کا اعلان کرتے ہیں اس کا اظہار ۳۰ر جون ۱۹۸۵ء کو ختم ہونے والی ششماہی سے ہوتا ہے۔

شرحِ مُنافع فیصد - جنوری تا جون ۱۹۸۵

سیونگز بینک ــــــــــ ۸ء۵ فیصد

میعادی کھاتے
برائے ۵ سال یا زائد ــــــــــ ۱۵ء۶ فیصد

سہ ماہی	ششماہی	ایک سال	۲ سال	۳ سال	۴ سال
۹ء۸ فیصد	۱۱ء۰ فیصد	۱۱ء۵ فیصد	۱۲ء۶ فیصد	۱۳ء۶ فیصد	۱۴ء۶ فیصد

۷ دن اور ۳۰ دن کے نوٹس کھاتوں پر بالترتیب ۵ء۵ فیصد اور ۶ء۴ فیصد منافع دیا گیا۔

نیشنل بینک آف پاکستان — قومی ترقی قومی بینک

United

PID-I-29/85

کرکٹ کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں

اُن کو سمجھنے کے بعد کرکٹ دیکھنے کا لُطف دگنا ہو جائے گا

ساجد علی ساجد

پاکستان دنیا کے ان گنے چُنے ملکوں میں شامل ہے جو کرکٹ کھیلتے ہیں۔ کرکٹ خاصا دل چسپ اور سنسنی خیز کھیل ہے اور جن ملکوں میں بھی کھیلا جاتا ہے وہاں کا ایک مقبول کھیل ہے۔ انگلستان کا تو یہ روایتی اعتبار سے قومی کھیل سمجھا جاتا ہے۔ کرکٹ کی تاریخ بہت سے دوسرے کھیلوں کے مقابلے میں زیادہ پرانی ہے۔ کرکٹ سے ملتا جلتا کھیل پرانے زمانے میں کھیلا جاتا تھا۔ اپنی موجودہ شکل میں کرکٹ تقریباً ڈھائی سو سال سے کھیلی جا رہی ہے۔ صرف انگلستان میں کرکٹ کے بیس ہزار کلب اور چار لاکھ کھلاڑی ہیں۔

کرکٹ گیارہ گیارہ کھلاڑیوں کی دو ٹیمیں کھیلتی ہیں جو باری باری بیٹنگ اور فیلڈنگ کرتی ہیں۔ میدان کے وسط میں بائیس گز کے فاصلے پر تین تین وکٹ گاڑے جاتے ہیں۔ یہ وکٹیں تین "اسٹمپوں"، پر مشتمل ہوتی ہیں جن کے اوپری سرے پر بیلس (BAILS) لگے ہوتے ہیں۔ گیند کا وزن کم از کم ساڑھے پانچ اونس اور زیادہ سے زیادہ پونے چھے اونس ہوتا ہے۔

دونوں طرف وکٹوں کے آگے ایک ایک بیٹس مین (بلے باز) کھڑا ہوتا ہے، جس کا مقصد گیند کو ہٹ کرنا اور رن بنانا ہوتا ہے۔ جب دونوں بیٹس مین ایک وکٹ سے دوسرے وکٹ تک اپنی دوڑ مکمل کر لیتے ہیں تو یہ ایک رن سمجھا جاتا ہے۔ میدان کے چاروں طرف ایک حد (باؤنڈری) بنا دی جاتی ہے۔ اگر گیند اس حد کو پار کر جائے تو یہ چوکا ہو جاتا ہے اور اگر گیند زمین کو چھوئے بغیر حد (باؤنڈری لائن) سے پرے چلی جائے تو یہ چھکّا ہو جاتا ہے، یعنی چھے رن مان لیے جاتے ہیں۔

ایک وکٹ کے پاس کھڑا ہوا باؤلر (گیند کھلانے والا) دوسرے وکٹ پر کھڑے ہوئے

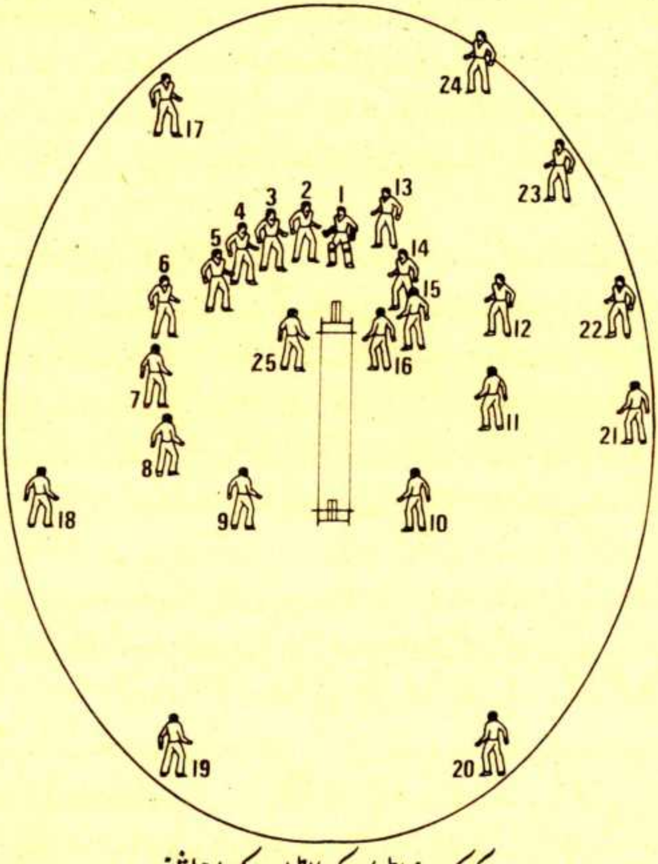

کرکٹ فیلڈ میں کھلاڑیوں کی پوزیشنیں

(۱) وکٹ کیپر (۲) فرسٹ سلپ (۳) سیکنڈ سلپ (۴) تھرڈ سلپ (۵) گلی (۶) پوائنٹ (۷) کور (۸) ایکسٹرا کور (۹) مِڈ اوف (۱۰) مِڈ اون (۱۱) مڈ وکٹ (۱۲) اسکوائر لیگ (۱۳) لیگ سلپ (۱۴) بیک ورڈ شارٹ لیگ (۱۵) فارورڈ شارٹ لیگ (۱۶) سِلی مِڈ اون (۱۷) تھرڈ مین (۱۸) ڈیپ ایکسٹرا کور (۱۹) لونگ اوف (۲۰) لونگ اون (۲۱) ڈیپ مڈ وکٹ (۲۲) ڈیپ اسکوائر لیگ (۲۳) لونگ لیگ (۲۴) فائن لیگ۔

کھلاڑیوں کی یہ پوزیشنیں اُس صورت میں ہوتی ہیں جب بیٹس مین دائیں ہاتھ سے کھیلنے والا ہو۔ بائیں ہاتھ سے کھیلنے کی صورت میں پوزیشنیں بدلنی پڑتی ہیں۔

بیٹس مین کی طرف گیند پھینکتا ہے۔ ایک وقت میں وہ چھے یا آٹھ گیند بس پھینکتا ہے جو ایک اوور کہلاتا ہے۔ ایک اوور مکمل ہونے کے بعد بولر تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو ٹیم فیلڈنگ کر رہی ہوتی ہے اس کا مقصد بیٹس مین کو آؤٹ کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے وہ پوری کوشش کرتی ہے۔ جب دس کھلاڑی آؤٹ ہو جاتے ہیں تو ایک اننگ مکمل ہو جاتی ہے۔

ایک بیٹس مین کو کئی طریقوں سے آؤٹ کیا جا سکتا ہے مثلاً گیند اس کے پاس سے ہوتی ہوئی گزر جائے اور وکٹوں میں جا لگے یا وہ بلّا (بیٹ) مارے اور اس کے باوجود گیند وکٹوں سے جا ٹکرائے تب بھی وہ آؤٹ ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنے سامنے بنی ہوئی لائنوں سے آگے نکل جائے اور وکٹ کیپر گیند پکڑ کے وکٹوں پر مار کر وکٹیں گرا دے تو وہ "اسٹمپ" ہو کر آؤٹ ہو جائے گا۔ اگر بیٹس مین کا بلا وکٹوں پر لگ جائے تو وہ آؤٹ ہو جائے گا اور یہ ہٹ وکٹ آؤٹ کہلائے گا۔ اگر وہ بلّے سے گیند کو ہٹ کرے اور کوئی فیلڈر اس کے رن مکمل کرنے سے پہلے وکٹ گرا دے تو وہ رن آؤٹ ہو جائے گا۔ اگر گیند وکٹوں میں جا رہی ہو اور بیٹس مین کی ٹانگ سے جا ٹکرائے تو وہ ایل بی ڈبلیو ہو جائے گا اور آؤٹ ہو جائے گا۔ مگر اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ گیند نے کس جگہ جا کر ٹپّا کھایا تھا۔

اُن رنز کے علاوہ جو ایک بیٹس مین اپنے بلّے سے گیند کو ہٹ کر کے بناتا ہے کچھ اور رنز بھی ہوتے ہیں جو فاضل رنز (EXTRAS) کہلاتے ہیں۔ اگر گیند بلّے کے پاس سے گزرتی ہے اور وکٹ کو چھوئے بغیر پیچھے نکل کے اتنی دُور چلی جاتی ہے کہ بیٹس مین دوڑ کے رن بنا لیتا ہے تو یہ "بائی" کا رن کہلاتا ہے۔ اگر گیند بیٹس مین کی ٹانگ سے لگتی ہوئی جائے تو یہ "لیگ بائی" کا رن ہو گا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب بیٹس مین نے جان بوجھ کر اپنی ٹانگوں سے گیند نہ روکی ہو۔

بیٹس مین جہاں کھڑا ہوتا ہے وہ "بیٹنگ کریز" کہلاتی ہے۔ اگر بولر بیٹنگ کریز سے اتنے پرے گیند کرائے کہ بیٹس مین کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکے تو ایسی گیند "وائڈ" ہو جاتی ہے۔ اگر گیند پھینکنے سے پہلے ہی بولر کا اگلا پیر بیٹنگ کریز پر پڑ جائے اور اس کے باوجود وہ

گیند پھینک دے تو یہ "نو بال" ہو جاتی ہے ۔ امپائر کو فوری طور پر زور سے پکار کر "نو بال" کا اشارہ دینا چاہیے تاکہ بیٹس مین اسے ہٹ کر سکے۔ نو بال پر بیٹس مین آؤٹ نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ رن آؤٹ ہو جائے ۔

بائی، لیگ بائی، وائڈ اور نو بال کے رنز بیٹس مین کے حساب (اسکور) میں جمع نہیں ہوتے بلکہ ٹیم کے حساب میں جمع ہوتے ہیں۔

فیلڈنگ کرنے والی ٹیم میں بولر کے علاوہ دوسری اہم حیثیت وکٹ کیپر کی ہوتی ہے۔ وکٹ کیپر وکٹوں کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فیلڈروں کو بولر کی مرضی سے کپتان مختلف جگہ کھڑا کرتا ہے۔ کرکٹ میں تمام فیلڈنگ پوزیشنوں کے اپنے مخصوص نام ہیں۔ مثلاً ایک ایسے بیٹس مین کا تصور کیجیے جو دائیں ہاتھ سے بیٹنگ کر رہا ہے۔ اس کے جسم کا بایاں حصّہ بولر کی طرف ہے ۔ اُس کے سامنے کا وہ حصّہ جو اس کے جسم کے مقابلے میں اس کے بلّے سے زیادہ قریب ہے وہ اوف سائڈ (OFF SIDE) کہلاتا ہے۔ اس کے عقب کا حصّہ جو بلّے کے مقابلے میں اس کے جسم سے زیادہ قریب ہے "لیگ سائڈ" (LEG SIDE) کہلاتا ہے۔

وکٹ کے پیچھے اوف سائڈ کی طرف کی فیلڈنگ پوزیشنیں "سلپ" کہلاتی ہیں۔ وکٹ کیپر کے ساتھ فرسٹ سلپ اس کے بعد سکنڈ سلپ اور تھرڈ سلپ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی فورتھ سلپ بھی لگادی جاتی ہے۔ سلپ کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا فیلڈر تھرڈ مین کہلاتا ہے۔ اس سے ذرا گھوم کر مگر بلّے کے پیچھے کی طرف گلّی (GULLY) ہوتی ہے۔

بلّے کے بالکل متوازی "پوائنٹ" ہوتا ہے۔ اگر وہ بلّے سے ذرا دُور چلا جائے تو وہی ڈیپ پوائنٹ (DEEP POINT) بن جاتا ہے۔ بلّے کے سامنے کھڑا ہوا فیلڈر جو بولر کی وکٹ کے سامنے بھی پڑتا ہے "کور" اور ایکسٹرا کور کہلاتا ہے۔ اوف سائڈ پر بولر کی وکٹ کے لگ بھگ متوازی پوزیشن "مڈ اوف" ہوتی ہے۔ اس کے پیچھے لانگ اوف ہوتا ہے۔ یہی پوزیشنیں اگر لیگ سائڈ پر ہوں تو "مڈ آن" اور "مڈ اوف" بن جاتی ہیں۔ جب کہ کور اور ایکسٹرا کور لیگ سائڈ پر ہوں تو مڈ وکٹ اور ڈیپ مڈ وکٹ کہلاتے ہیں۔ پوائنٹ کو اسکوائر لیگ اور ڈیپ پوائنٹ کو ڈیپ اسکوائر لیگ کہتے ہیں۔ گلّی لیگ

کی طرف ہو تو شارٹ لیگ، تھرڈ مین لانگ اوف اور سلپ لیگ سلپ بن جاتی ہے۔

فرسٹ کلاس کرکٹ میچ تین یا اس سے زیادہ دن کے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میچ دو دن، ایک دن یا آدھے دن کے ہو سکتے ہیں۔ دو دن یا اس سے زیادہ دِنوں کے میچ میں دو اننگز ہوتی ہے۔ ایک روز یا آدھے دن کے میچ ایک اننگ کے ہوتے ہیں۔

جو ٹیم ٹاس جیت جاتی ہے وہ پہلے بیٹنگ کرتی ہے اور اگر وہ اس کے بعد مخالف ٹیم کو خود سے کم اسکور پر آؤٹ کر لیتی ہے تو وہ اتنے ہی رنز سے کامیابی حاصل کر لیتی ہے جتنے رَن اس نے زیادہ بنائے تھے۔ اس کے برعکس اگر دوسرے نمبر پر بیٹنگ کرنے والی ٹیم پہلی ٹیم کے اسکور سے آگے نکل جاتی ہے تو وہ اتنی وِکٹوں سے جیتتی ہے جتنی وِکٹیں اس کی باقی رہ گئی ہیں۔

دو اننگز کے میچ میں اگر پہلے بیٹنگ کرنے والی ٹیم مخالف ٹیم پر ایک خاص نوعیت یا عام طور پر ڈیڑھ سو رنز کی برتری حاصل کرلے تو وہ دوسری ٹیم کو "فالو آن" یا پہلی کے بعد مسلسل دوسری اننگ کھیلنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں پہلی ٹیم کی دوسری اننگ اپنی جگہ محفوظ رہتی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو کھیل لے۔

اگر کوئی ٹیم اچھے خاصے رنز بنا لیتی ہے اور اپنی وِکٹیں ختم کیے بغیر دوسری ٹیم کو کھیلنے کا موقع دینا چاہتی ہے تو وہ اپنی اننگ کو وقت سے پہلے ختم کر سکتی ہے۔ یہ کام "اننگ ڈیکلیئر کرنا" کہلاتا ہے۔

مئی ۱۹۶۸ء تک یہ کھیل میر لبون کرکٹ کلب چلاتا تھا۔ اگرچہ لارڈز کا میدان اب بھی اس کا مرکزی دفتر ہے مگر اب کرکٹ کا انتظام کرکٹ کاؤنسل چلاتی ہے، جس میں "ایم سی سی" کے علاوہ "ٹیسٹ اینڈ کاؤنٹی کرکٹ بورڈ" اور "نیشنل کرکٹ ایسوسی ایشن" شامل ہیں۔

کرکٹ کا کھیل یوں تو اور بھی ملکوں میں کھیلا جاتا ہے مگر یہ انگلستان کے علاوہ پاکستان، اوسٹریلیا، ویسٹ انڈیز، بھارت، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ان میں سے جنوبی افریقہ کے سوا باقی سب ٹیمیں بڑی پابندی کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹیسٹ سیریز کھیلتی ہیں۔ یہ سیریز عام طور پر چھے ٹیسٹ میچوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔

کرکٹ کا کھیل اصطلاحات کے معاملے میں خاصا مال دار ہے، جن میں تین قسم کی گیندیں بڑی نمایاں ہیں جو یوکر، گوگلی اور چائنا مین کہلاتی ہیں۔ ان میں سے یوکر بیٹس مین کو فریب دیتی ہوئی اس کے دفاعی اسٹروک کے بیچ میں سے نکل جاتی ہے۔ اگر ایک بولر بہ ظاہر ایکشن اوف بریک گیند کا دے اور لیگ بریک گیند پھینکے دے۔ یا پھر اس کے برعکس کام کرے تو ایسی گیند "گوگلی" کہلاتی ہے۔ چائنا مین ایک ایسی اوف بریک گیند ہے جو بائیں ہاتھ سے گیند پھینکنے والا بولر دائیں ہاتھ سے بیٹنگ کرنے والے کھلاڑی کی طرف پھینکتا ہے۔

کرکٹ نے ایک اور ایسی اصطلاح فراہم کی ہے جو اب دوسرے کھیلوں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہ "ہیٹ ٹرک"، کی اصطلاح ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب کرکٹ کے کھلاڑی ٹاپ ہیٹ پہنا کرتے تھے۔ جب کوئی کھلاڑی مسلسل تین وکٹیں لے ڈالتا تھا تو اسے ٹاپ ہیٹ پیش کیا جاتا تھا، لیکن اب عام طور پر اسے گیند بہ طور تحفہ دے دی جاتی ہے۔

بچّوں کی کتابیں

یہ کتابیں ختم ہوگئی تھیں۔ اب اِن کے نئے ایڈیشن شائع کیے جارہے ہیں۔ جلد ہی یہ کتابیں آپ خرید سکیں گے۔

جاگو جگاؤ ــــ از حکیم محمد سعید

البیرونی کہانی اور کارنامے۔ از خاطر غزنوی

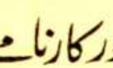

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

اخبارِ نونہال

مچھلیاں باتیں کرتی ہیں

ریڈیو سوئڈن کے ایک ماہر نے دعوا کیا ہے کہ اس نے مچھلیوں کی آوازوں کو رکارڈ کیا ہے، جس سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ آپس میں باتیں کرتی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے دس سال تک بیس قسموں کی مچھلیوں کی آوازیں رکارڈ کی ہیں۔ ان آوازوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف پیغامات ایک دوسرے کو پہنچانے کے لیے سماجی زبان استعمال کرتی ہیں۔

مرسلہ: نجمہ ابوالحسن سبزواری، کراچی

دنیا کی سب سے کم عمر مصنفہ

دنیا کی سب سے کم عمر مصنفہ کا نام جینٹ سن ہے، جس نے صرف ساڑھے پانچ سال کی عمر میں بچّوں کی کتاب "دی پاٹرٹ ٹبل" لکھی۔ جب اس کی عمر ساڑھے چھے سال کی ہوئی تو یہ ناول چھپ کر بازار میں آچکا تھا۔

مرسلہ: محمد عثمان عباسی، کراچی

سب سے بڑا کیک

مغربی جرمنی کے ایک بیکری والے نے ۱۹۸۴ء میں دنیا کا سب سے وزنی کیک تیار کیا ہے۔ اسے توقع ہے کہ اب اس کا نام گینیز بک آف رکارڈ میں آجائے گا۔ اس کیک کا

وزن ۳۲۰ کلو گرام ہے۔ اس میں ۷۰ اکلو گرام آٹا، ۵۰ لیٹر دودھ اور ۷۰ کلو گرام جام استعمال کیا گیا ہے۔ کیک بیکری میں تیار ہونے کے بعد ایک وین میں لاد کر ایک ہوٹل میں پہنچایا گیا تھا۔

مرسلہ: زاہد حسین، اورنگی ٹاؤن

کیلے کا چھلکا اور سیاست

فرانسیسی سائنس داں نے کیلے کے چھلکے کا پاؤڈر تیار کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ پاؤڈر اُس وقت کام دے گا جب ملک کے کسی بڑے شہر میں حکومت کے خلاف کوئی بڑا مظاہرہ ہو گا۔ پولیس والے اس پاؤڈر میں پانی ملا کر اسے سڑکوں اور گلیوں میں پھیلا دیں گے۔ اس سے ہر طرف پھسلن ہو جائے گی اور مظاہرین کے لیے وہاں کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا۔

مرسلہ: خالد نواب، حیدر آباد

سمندر کی تہ میں ہوٹل

حال ہی میں امریکا کی ایک فرم نے سمندر کی گہرائی میں دو لاکھ ڈالر کی مالیت سے ایک ہوٹل بنایا ہے۔ اس ہوٹل تک پہنچنے کے لیے گاہکوں کو غوطہ خوروں جیسا لباس پہننا پڑتا ہے۔ یہ ہوٹل موتی یاما ساحل سے بہت دُور سمندر کی تہ میں بنایا گیا ہے۔

مرسلہ: عبدالرؤف عاکف، منڈی عبدالحکیم

اسکول سے بھاگنے والے بچّوں کی انوکھی سزا

لائبیریا میں اسکول سے بھاگنے والے بچّوں کے لیے بڑا دلچسپ قانون ہے۔ جب کوئی بچّہ اسکول جانے سے انکار کرتا ہے تو اُسے پڑھنے کے لیے مجبور کرنے کے بجائے قریبی پولیس اسٹیشن بھیج دیا جاتا ہے، جہاں وہ فرش صاف کرتا ہے، کھڑکیوں کے شیشے صاف کرتا اور سپاہیوں کے جوتے پالش کرتا ہے۔ پہلے ہی روز اور زیادہ سے زیادہ دوسرے روز بچّہ اسکول جا کر تعلیم حاصل کرنے کے لیے بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے اور دوبارہ کبھی اسکول سے بھاگنے کا خیال کبھی دل میں نہیں لاتا۔

مرسلہ: محمد شعیب، تحصیل صوابی

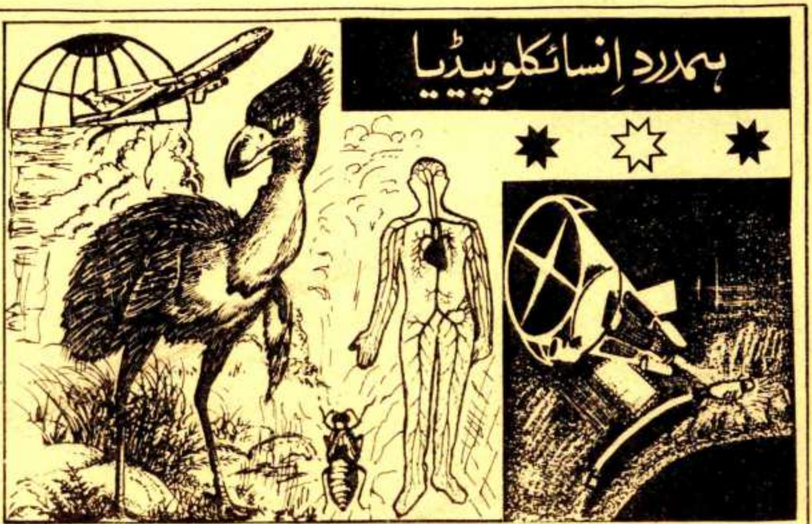

س: دنیا میں سب سے قیمتی ہیرا کون سا ہے اور یہ آج کل کہاں ہے؟

حیدر علی اکبر علی، کراچی

ج: یوں تو اخباروں میں کبھی کبھی خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں جگہ اتنا بڑا ہیرا دریافت ہوا ہے، لیکن سب سے زیادہ شہرت کوہِ نور ہیرے کو حاصل ہوئی جو ملکہ برطانیہ کے تاج میں لگا ہوا ہے۔

س: سمندر میں طوفان کیوں آتے ہیں؟ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

سید ساجد علی زیدی، ٹنڈو محمد خان

ج: طوفان ہوائی دباؤ کے فرق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہوا ایک غلاف کی شکل میں ہماری زمین کے چاروں طرف لپٹی ہوئی ہے۔ درجۂ حرارت کے فرق کی وجہ سے کسی جگہ ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور کسی جگہ زیادہ۔ جس جگہ ہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے وہاں اس فرق کو پورا کرنے کے لیے زیادہ دباؤ والے علاقے کی ہوائیں زور سے اُس طرف چلتی ہیں۔ دباؤ کا فرق جتنا زیادہ ہوگا، ہوا کی رفتار اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ جب یہ رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے تو

ہم اُسے طوفان کہتے ہیں۔ دنیا کے سمندروں میں بعض رَویں بھی اپنے اپنے راستے پر چلتی ہیں لیکن دباؤ کے فرق کی وجہ سے جو تیز ہوائیں سمندروں پر آتی ہیں وہ اُن کے پانی میں تلاطم اور ہَل چَل پیدا کر دیتی ہیں اور ہم کہتے ہیں طوفان آ گیا۔

س: مچھلی تو پانی کے اندر اپنے گلپھڑوں سے ذریعہ سے سانس لیتی ہے، مگر مینڈک اور دوسرے سمندری اور دریائی جانور پانی میں کس طرح سانس لیتے ہیں۔
شعیب بن ضمیر، کراچی

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ مینڈک مستقل طور پر پانی کے اندر نہیں رہتے بلکہ تالاب کی سطح یا کنارے پر تیرتے رہتے ہیں۔ اُن کا منھ پانی سے باہر ہوتا ہے۔ وہ غوطہ بھی لگاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پانی میں اوکسی جن گھُلی ہوتی ہے۔ وہ ہائیڈروجن اور اوکسی جن دو گیسوں سے مِل کر بنا ہے۔ بحری اور دریائی جانوروں کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ اس گھُلی ہوئی اوکسی جن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔

س: چاند کو گرہن کیسے لگتا ہے اور کیوں؟ رئیس رحمت اللہ، خانپور

ج: چاند ہماری زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے اور زمین چاند کو اپنے ساتھ لیے ہوئے سورج کے چاروں طرف گردش کرتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی سورج، زمین اور چاند ایک لائن میں آجاتے ہیں اور زمین کا سایہ چاند پر پڑتا ہے یعنی زمین کی وجہ سے پورے چاند پر یا اس کے کچھ حصّے پر روشنی نہیں پڑتی اور ہم کہتے ہیں چاند گرہن ہو گیا۔

س: چاند، سورج گول ہیں، لیکن یہ ستاروں کی نوکیں کیوں نکلی ہوتی ہیں؟
نگہت شکور، کراچی

ج: کہاں دیکھی ہیں آپ نے ستاروں کی نوکیں؟ یاد رکھیے کہ ستارے ہمارے سورج کی طرح بڑے بڑے سورج ہیں۔ ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے جو ہم سے قریب ہونے کی وجہ سے اتنا زیادہ گرم اور روشن معلوم ہوتا ہے۔ رات کو ستارے ٹمٹماتے نظر آتے ہیں، کیوں کہ اُن کی روشنی ہوا کے مختلف طبقوں کو پار کر کے ہم تک آتی ہے۔ اُن کی جھلملاہٹ اور روشنی

کی شعاعیں دُور سے نوکیں سی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ستارے بہت دُور ہیں اس لیے ہمیں اتنے چھوٹے اور ٹھنڈے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر آپ اُن سے چند کروڑ میل کے فاصلے پر پہنچ جائیں تو وہ بھی آپ کو سورج کی طرح سخت گرم اور روشن محسوس ہوں گے۔

س: بادل کیوں گرجتے ہیں اور بجلی میں چمک کیسے پیدا ہوتی ہے؟ سید محمد نعیم شاہ

ج: بادل ہماری زمین سے صرف چند میل کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔ اُن میں بے شمار ذرّات ہوتے ہیں، جن پر پانی کے بخارات جم جاتے ہیں۔ بادلوں میں مستقل طور پر ایک طرح کا طلاطم جاری رہتا ہے۔ ذرّوں کی آپس سے رگڑ سے اُن پر ایک طرح کا برقی چارج یا بار پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی پر مثبت اور کسی پر منفی۔ اگر مخالف چارج والے دو بادل ایک دوسرے کے اوپر یا قریب آجائیں تو منفی چارج مثبت چارج والے بادل پر جانے کی کوشش کرتا ہے۔ جسے توڑتے وقت زور کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ رواں چارج ہمیں سخت چمک کی شکل میں نظر آتا ہے جسے ہم بجلی یا برقی شرارہ کہتے ہیں۔

س: مہربانی فرما کر بچھّو کے متعلق کچھ معلومات فراہم کیجیے۔

محمود ہارون چھوٹانی، کراچی

ج: بچھّو گرم مرطوب آب و ہوا والے ملکوں کا ایک زہریلا کیڑا ہے۔ اس کے ایک لمبا ڈنک ہوتا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ وہ ڈنک مارتا ہے جس سے اُس کے خطرناک زہر کی تھوڑی سی مقدار ہمارے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ زہر اصل میں نہایت تیز تیزاب ہوتا ہے جو دل پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ بچھّو کے کاٹے سے عام طور پر کوئی مرتا تو نہیں ہے، لیکن تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مادہ بچھّو ایک وقت میں بہت زیادہ انڈے بچّے دیتی ہے جن سے اسے بہت زیادہ محبّت ہوتی ہے۔ اتنی محبّت کہ سب بچّے مل کر اُسے چٹ کر جاتے ہیں اور وہ کچھ نہیں کہتی۔

نونہال مُصوّر

محمد اسماعیل، کراچی

نگہت ذاکر، کراچی

سعدیہ بانو، کراچی

ثمینہ گل، کراچی

صحت مند نونہال

محمد ایوب شوکی، کراچی

زلیخا عرف شمائلہ، کراچی

جمیلہ، کراچی

محمد طلحہ سرفراز، کراچی

اظہر سرور، حیدر آباد

حق نواز رحیم، حیدر آباد

صائمہ حبیب

محمد جاوید خان نیازی، دریا آباد

محمد شیراز، کراچی

فرزانہ مبارک، کھوکھراپار

رابعہ ایوب، کراچی

عبداللہ، کراچی

ابراہیم جمشید، کراچی

نفیس احمد قریشی، کراچی

ENGLISH
BISCUIT

الف سے انگلش بے سے بسکٹ
پہلی غذا انگلش بسکٹ

MNJ

سلسلہ نمبر ۲۳۵

معلوماتِ عامہ

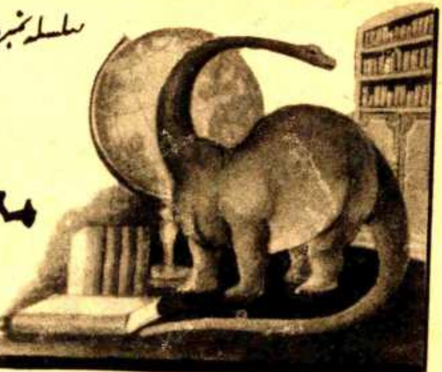

اس بار بھی سوالات کی تعداد ۱۲ ہے۔ ۱۰ یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوتیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ نومبر ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد اور مکّے سے یثرب ہجرت کرنے سے پہلے کہاں تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ بتائیے تاریخی مقام ہڑپّا کہاں واقع ہے؟

۳۔ بتائیے فُٹ بال گراؤنڈ بڑا ہوتا ہے یا ہاکی گراؤنڈ؟

۴۔ دنیا کی سب سے بڑی جھیل کا نام کیا ہے؟

۵۔ عالمی ادارۂ محنت (انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن) کا صدر دفتر کہاں واقع ہے؟

۶۔ "مصر کے سکّے کا نام دینار ہے۔" کیا یہ صحیح ہے؟

۷۔ بتائیے "خود کلامی" کس شاعر کے مجموعہ کلام کا نام ہے؟

۸۔ مشہور بزرگ اور شاعر سچل سرمست کا اصل نام بتائیے؟

۹۔ مولانا ظفر علی خان ایک بہت مشہور اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ اخبار کا نام بتائیے؟

۱۰۔ پاکستان میں شکر کا سب سے بڑا کارخانہ کہاں ہے؟

۱۱۔ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا ڈویژن کون سا ہے؟

۱۲۔ ڈنمارک، فن لینڈ، ناروے اور سویڈن کے مجموعے کو کیا کہتے ہیں؟

دھنیے کی کہانی

بہت دن پہلے کا ذکر ہے کہ ہندستان کے ایک شہر اُونتی میں ایک لڑکا دھنیا رہتا تھا۔ اس کے ماں باپ پہلے تو کسی اور شہر میں رہتے تھے اور بہت خوش حال تھے، لیکن اتفاق سے انھیں کار بار میں نقصان ہوا تو بہت غریب ہو گئے۔ جب اپنے شہر میں ان کا کار بار بالکل ہی ختم ہو گیا تو انھوں نے اپنا شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنے پانچ بچّوں کے ساتھ اونتی میں آکر رہنے لگے۔ دھنیا اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ اُونتی میں آکر دھنیا کے باپ نے تھوڑی سی زمین خرید لی، اس زمین پر پھولوں کا ایک چھوٹا سا باغ لگایا اور اس باغ کے پھُول بیچ کر گزر بسر کرنے لگا، لیکن ان پھُولوں سے اُسے اتنے پیسے نہیں ملتے تھے کہ اپنے بچّوں کو تعلیم بھی دِلا سکتا یا رہنے کے لیے پکّا مکان بنا لیتا۔ اس لیے بے چارہ اپنے بچّوں کے ساتھ چٹائیوں کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں زندگی گزار رہا تھا۔

دھنیا کو اپنے باپ کی اس پریشانی اور مصیبت پر بہت دُکھ ہوتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے باپ کی مدد کرے اور اتنے پیسے کما سکے کہ اس کے باپ کی پریشانیاں کچھ کم ہوں۔ اُسے یہ بھی احساس تھا کہ اُس کے چاروں بڑے بھائیوں کو اپنے ماں باپ کی کوئی پروا نہیں۔ اُن چاروں کی شادیاں بھی ہو چکی ہیں، لیکن اس کے باوجود اُنھیں کمانے کی فکر نہیں۔ وہ تو بس اپنے بوڑھے باپ پر ہی بوجھ بنے رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں سوچ کر اُس نے اُونتی کے ایک زمیں دار کی بھیڑ بکریاں چرانا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ بے چارہ دھنیا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ابھی اس کی عمر صرف دس سال ہی تھی۔

بھیڑیں چرانے کے بدلے میں زمیں دار اُسے جتنے بھی پیسے دیتا، دھنیا وہ سب

اپنے ماں باپ کو دے دیتا۔ اپنے ماں باپ سے کبھی کھلونوں یا اچھے کپڑوں کی فرمائش بھی نہیں کرتا۔ جب شام کو بھیڑیں چرا کر واپس گھر آتا تو پڑوس میں رہنے والے ایک بزرگ آدمی کے پاس پڑھنے چلا جاتا۔ وہ دھنیا کو مفت پڑھایا کرتے تھے۔ اسی طرح دو تین سال گزر گئے۔ دھنیا کے ماں باپ بھی اس سے بہت خوش تھے۔ محلے بھر کے بچّوں کے سامنے لوگ دھنیا کی مثالیں پیش کیا کرتے کہ دیکھو، کتنا اچھا بچّہ ہے۔ محنت کر کے اپنے ماں باپ کا سہارا بھی بنا ہوا ہے اور جو وقت اس کے پاس بچ رہتا ہے اُسے پڑھنے لکھنے میں صَرف کرتا ہے۔ کبھی کسی سے اس کا جھگڑا بھی نہیں ہوا۔ محلّے کے لوگ بھی دھنیا کے مقابلے میں اس کے بھائیوں کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ چاروں بھائی کام کاج تو کچھ کرتے نہیں تھے، ذرا ذرا سی بات پر پڑوسیوں سے لڑتے رہتے تھے، اسی لیے لوگوں کو اُن سے نفرت ہو گئی تھی۔ اسی طرح چار پانچ سال گزر گئے۔ دھنیا نے تو اپنی تعلیم جاری رکھی، لیکن دھنیے کے بھائیوں نے اپنی عادتیں نہیں بدلیں، البتہ دھنیا کی محنت اور مقبولیت دیکھ کر اس سے جلنے لگے۔

دھنیا اپنے بھائیوں کو بھی بہت چاہتا تھا۔ وہ تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کے بھائی اس سے جلتے ہوں گے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ وہ زمیں دار کی بھیڑوں کی دل لگا کر رکھوالی کرتا جیسے یہ اس کی اپنی بھیڑیں ہوں۔ زمیں دار بھی اُس کے کام سے بہت خوش تھا اور چاہتا تھا کہ دھنیے کو بھی خوش رکھے تاکہ وہ اور زیادہ محنت سے بھیڑوں کی خدمت کرے۔ چناں چہ زمیں دار نے دھنیے کو ایک چھوٹا سا خوب صورت بھیڑ کا بچّہ انعام میں دے دیا۔

بھیڑ کا بچّہ دھنیا نے بڑی محنت سے پالنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ کا بچّہ خاصا تن درست اور بڑا ہو گیا۔ اس زمانے میں اونتی کے لوگ بھیڑیں لڑانے کے بہت شوقین تھے۔ وہاں کے راجا کو بھی بھیڑوں کی لڑائی دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اَونتی کے شہزادے کے پاس تو ایک ایسی بھیڑ تھی جس نے کئی لڑائیاں جیتی تھیں۔ دُور دُور سے لوگ اپنی بھیڑیں اُس سے لڑانے کے لیے لاتے تھے، لیکن ہمیشہ جیت شہزادے کی بھیڑ ہی کی ہوتی تھی۔ شہزادے کو اپنی بھیڑ پر اتنا اعتماد تھا کہ اُس نے

اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص کی بھیڑ اس بھیڑ کو ہرا دے گی اُسے ایک ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔

شہزادے کی طرف سے انعام کا یہ اعلان سُن کر بہت سے لوگوں نے کوشش کی کہ یہ انعام جیت لیں، لیکن کسی کی بھیڑ شہزادے کی بھیڑ کو نہ ہرا سکی۔ دھنیا نے بھی یہ اعلان سُنا تھا اور اس نے بھی یہی سوچا تھا کہ شہزادے کی بھیڑ کو ہرا کر انعام جیتنا چاہیے۔ بس اس نے اپنی بھیڑ کو لڑائی کی تربیت دینی شروع کر دی۔ ساتھ ہی بھیڑ کو اچھی اچھی غذائیں بھی کھلانی شروع کر دیں تا کہ اس کی بھیڑ اتنی طاقت ور ہو جائے کہ شہزادے کی بھیڑ کو ہرا سکے۔ ایک سال کی لگا تار محنت کے بعد جب دھنیے کو اطمینان ہو گیا کہ اب اس کی بھیڑ لڑائی جیت سکتی ہے تو اس نے راجا کے محل پر جا کر اطلاع دی کہ اُسے شہزادے کا چیلنج منظور ہے۔ راجا تو ان مقابلوں کا شوقین تھا ہی، اس نے فوراً ہی لڑائی کی تاریخ مقرر کر دی۔

دھنیا اور شہزادے کی بھیڑوں کی لڑائی کو اونتی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ جو کوئی بھی سنتا کہ کسی نے راجا کے بیٹے کا چیلنج قبول کر لیا ہے تو اُسے بڑی حیرت ہوتی، کیوں کہ اس وقت تک شہزادے کی بھیڑ پورے علاقے کی چیمپیئن سمجھی جاتی تھی۔ پھر جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ چیلنج قبول کرنے والا ایک کم عمر چرواہا ہے تو لوگوں کو اور زیادہ حیرت ہوتی۔ ہر جگہ لوگ آپس میں اس لڑائی کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ اس طرح لڑائی کا دن آ گیا۔

بھیڑوں کی لڑائی کا انتظام ایک میدان میں کیا گیا تھا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ یہ مقابلہ دیکھ سکیں۔ راجا کے بیٹھنے کے لیے میدان میں ایک طرف ایک خوب صورت شامیانہ لگایا گیا تھا۔ مقابلہ شروع ہوا تو لوگوں نے بڑے زور سے تالیاں بجائیں۔ پہلے شہزادے کی بھیڑ سے دوسری بھیڑوں کے مقابلے ہوئے جنھیں شہزادے کی بھیڑ نے ہرا دیا۔ آخری مقابلہ دھنیے کی بھیڑ سے تھا۔ اس مقابلے سے سب لوگوں کو بڑی دل چسپی تھی۔ پھر جیسے ہی راجا نے مقابلہ شروع کرنے کی اجازت دی دونوں بھیڑوں کو آزاد کر دیا گیا۔ دھنیے کی بھیڑ نے اُچھل کر بڑی زور کی ٹکّر ماری جس سے شہزادے کی بھیڑ پیچھے کی طرف لڑھک تو گئی، لیکن فوراً ہی سنبھل کر اُس نے بھی دھنیے کی بھیڑ کو سر جھکا کر ٹکّر ماری، لیکن ہُوا

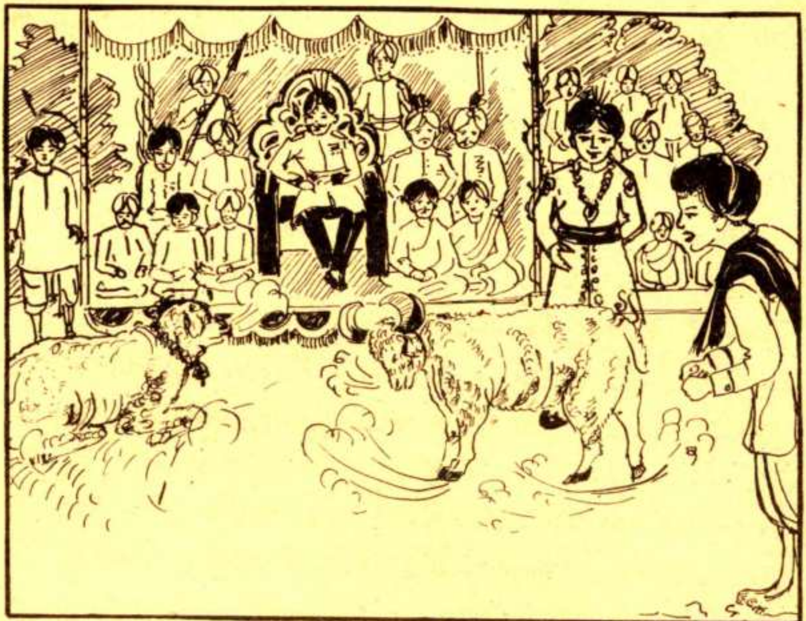

یہ کہ شہزادے کی بھیڑ دوسری مرتبہ بھی گر پڑی۔ اس مرتبہ اُسے کھڑے ہونے میں کچھ دیر لگ گئی۔ تیسری مرتبہ جب وہ دھنیے کی بھیڑ کے سامنے آئی تو دھنیے کی بھیڑ نے اپنا سَر جھکا کر اور اُچھل کر اتنی زور کی ٹکّر ماری کہ شہزادے کی بھیڑ بہت دُور جا کر گری، اور جس جگہ گِری وہیں بیٹھی رہ گئی۔ شہزادے کے ملازم دوڑ کر بھیڑ کے پاس پہنچے اور سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شہزادے کی بھیڑ کے کس بَل نکل گئے ہوں۔ شہزادے کے ملازموں نے اُسے کھینچ کر پھر دھنیے کی بھیڑ کے سامنے کھڑا کر دیا، لیکن ابھی دھنیے کی بھیڑ نے ٹکّر مارنے کے لیے اپنا سَر جھکا کر دونوں پَیر اٹھائے ہی تھے کہ شہزادے کی بھیڑ میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس طرح دھنیے کی بھیڑ نے یہ مقابلہ جیت لیا۔ شہزادے نے بھی اچھے کھلاڑیوں کی طرح اپنی ہار مان لی اور دھنیے کے پاس آکر اُسے جیتنے کی مبارک باد دی۔ راجا نے دھنیے کو اپنے ہاتھ سے ایک ہزار اشرفیوں کا انعام دیا۔ شہزادے نے بھی اپنے اعلان کے مطابق دھنیے کو اپنے پاس سے ایک ہزار

سونے کی اشرفیاں دیں۔ اس طرح اُسے دو ہزار اشرفیاں مل گئیں جو اس نے اپنے باپ کو دے دیں تاکہ وہ ان سے اپنا کاروبار بڑھا سکے۔

دھنیے نے جب سے انعام میں جیتی ہوئی رقم اپنے باپ کو دی تھی اس وقت سے اس کے بڑے بھائی اس سے اور زیادہ جلنے لگے تھے، کیوں کہ اس رقم سے باپ کا کاروبار اچھا چلنے لگا تھا۔ انھوں نے ایک مکان بھی بنا لیا تھا اور یہ سب کچھ چوں کہ دھنیے کی وجہ سے ہوا تھا اس لیے اس کے ماں باپ اُسے پہلے سے بھی زیادہ چاہنے لگے تھے۔ انھوں نے اس کی تعلیم کے لیے ایک استاد بھی مقرر کر دیا تھا۔ اب دھنیے نے بھیڑیں چَرانا چھوڑ دی تھی۔ دھنیے کی اتنی عزّت دیکھ کر اس کے بھائیوں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ چناں چہ ایک دن چاروں بھائی مل کر اپنے باپ کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ دھنیے کی جتنی عزّت کی جا رہی ہے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جا رہا ہے، وہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ انھوں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آخر دھنیا ہمارا بھائی ہی تو ہے، لیکن اس کا خیال ہم سب سے زیادہ کیوں رکھا جاتا ہے؟ ان کے باپ نے جواب دیا:

"بھئی، تمھیں وہ پرانی کہاوت یاد ہونی چاہیے کہ آدمی تو آدمی، خدا بھی انھیں لوگوں کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کرنا جانتے ہوں۔ پھر دھنیا تو ایک ایسا لڑکا ہے، جو نہ صرف خود اپنی مدد کرنا جانتا ہے بلکہ اُس نے اپنی مدد بھی خود کی اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ہماری بھی مدد کی ہے۔ یاد رکھو، انسان کا چام پیارا نہیں ہوتا، کام پیارا ہوتا ہے۔"

باپ کی یہ بات سُن کر چاروں بھائیوں نے کہا کہ آپ ہم سب کا ایک ساتھ امتحان لیں۔ ہم بھی ویسے ہی کام کر سکتے ہیں جیسے دھنیا کرتا ہے۔ اپنے بیٹوں کا یہ دعوا سُن کر اس نے دھنیے کو بُلایا۔ اب اس کے پانچوں بیٹے ایک جگہ جمع تھے۔ اُس نے سب کو چالیس چالیس رُپے دیے اور کہا کہ شہر جا کر اپنی اپنی مرضی سے کوئی کاروبار کرو، اگر شام تک تم ان چالیس رُپوں سے منافع کما کر لے آئے تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ تم بھی دھنیے ہی کی طرح عقل مند ہو اور اچھے کام کر سکتے ہو۔

رُپے لے کر پانچوں بھائی الگ الگ شہر گئے۔ چاروں بھائیوں نے شہر میں مختلف قسم کے

کاروبار کیے، لیکن جب شام کو وہ گھر پہنچے تو سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے، کیوں کہ انھیں نہ صرف کاروبار میں کوئی منافع نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی پونجی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس وقت تک دھنیا گھر نہیں پہنچا تھا۔ سب لوگ سوچ رہے تھے کہ دھنیا نہ جانے کیا کر کے آتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد انھیں دھنیا نظر آ گیا۔ اس کے کندھوں پر ایک میلا کچیلا بستر لدا ہوا تھا۔ اس کے چاروں بھائی دھنیا کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ دھنیا بھی اُن ہی کی طرح ساری رقم برباد کر کے آیا ہے۔ دھنیا گھر میں داخل ہوا تو میلا کچیلا بستر دیکھ کر اس کے باپ نے بھی یہی سمجھا کہ آج تو دھنیا بھی دھوکا کھا گیا اور ساری پونجی گنوا بیٹھا، لیکن دھنیا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے بستر زمین پر ڈالا اور ایک قینچی اُٹھا کر گدّے کے ٹانکے کھولنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گدّے کا کپڑا بھی پھاڑ ڈالا۔ پھر جیسے ہی کپڑا پھٹا، گدّے میں سے بے شمار سونے چاندی کے سکّے اور زیورات روئی کے بیچ میں پھنسے ہوئے نظر آئے۔ اتنی ساری دولت دیکھ کر سب لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ دھنیے کے باپ نے اس سے پوچھا کہ یہ گدّا تمھیں کہاں سے ملا؟ اب دھنیے نے پورا واقعہ سُنایا۔

"میں شہر جا رہا تھا تو راستے میں ایک آدمی یہ گدّا اٹھائے بازار کی طرف جاتا ہوا ملا۔ وہ یہ گدّا بیچنا چاہتا تھا، میں نے اس سے بات چیت کی تو اس نے بتایا کہ شہر کا بڑا بیوپاری رات کو کسی وقت مَر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد چوروں نے اس کے گھر کا صفایا کر دیا، صرف یہ گدّا بچا ہے جس پر وہ مرا پڑا تھا۔ اسی گدّے پر اُسے جلانے کے لیے لایا گیا تھا۔ ہندوؤں میں چوں کہ مرنے کے بعد آدمی کو جلا دیا جاتا ہے اور جس بستر یا جس پلنگ یا گدّے پر مُردے کو جلانے کی جگہ تک پہنچایا جاتا ہے، وہ بستر یا گدّا اس شہر کی رسم کے مطابق جلانے والے کو مل جاتا تھا۔ اس لیے گدّا اس آدمی کو مل گیا تھا جو اُسے بیچنے کے لیے بازار جا رہا تھا۔"

دھنیے نے مزید کہا، "میں نے اس آدمی کا نام سُنا تو مجھے یاد آ گیا کہ زندگی میں تو وہ بیوپاری بہت ہی کنجوس مشہور تھا۔ کبھی کسی کو ایک پیسا بھی خیرات نہیں دیتا تھا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کے سامنے کسی کو خیرات دے دے تو بھی بہت ناراض ہوتا تھا۔ اپنی کنجوسی کی وجہ سے اس نے اپنے بیوی بچّوں کو بھی گھر سے نکال دیا تھا۔ میں نے

سُنا تھا کہ ایسے کنجوس آدمی اپنی دولت ایسے ہی میلے کچیلے بستروں اور تکیوں میں چُھپا کر رکھتے ہیں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ میں نے سوچا کہ اس کنجوس بیوپاری نے بھی اپنی دولت ضرور اسی گدّے میں چھپائی ہوگی۔ چناں چہ میں نے یہ گدّا صرف بیس رُپے میں خرید لیا۔ میرا اندازہ بالکل درست نکلا اور اب یہ دولت آپ کے سامنے ہے۔"

دھنیے کی اس کامیابی سے اس کے بھائی اور زیادہ جل گئے۔ باپ کے سامنے تو انھوں نے کچھ نہیں کہا، لیکن وہاں سے ہٹنے کے بعد چاروں بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ رات کو دھنیے کو قتل کر دیا جائے، پھر نہ دھنیا ہوگا نہ اُن کی بے عزّتی ہوگی۔ اتفاق سے اُن بھائیوں میں سے ایک کی بیوی نے یہ سب باتیں سُن لی تھیں۔ اُسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کہ دولت کی خاطر عقل مند اور اچھے لڑکے کو قتل کر دیا جائے۔ چناں چہ اُس نے موقع پا کر دھنیے کو اُس کے بھائیوں کی سازش کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

دھنیے کو جب اپنے بھائیوں کے ارادوں کا پتا چلا تو اس نے سوچا کہ اُسے تو اپنے بھائیوں سے بہت محبّت ہے، لیکن اس کے بھائی اس کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اگر میں آج رات کسی طرح بچ بھی گیا تو میرے بھائی کسی اور دن موقع پا کر مجھے ضرور قتل کر دیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں اور کسی دوسرے شہر میں جا کر قسمت آزماؤں۔ چناں چہ جب رات ہوئی اور سب لوگ سونے کے لیے اپنے اپنے بستروں میں گھس گئے تو دھنیا چپکے سے اُٹھا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے ساتھ صرف کپڑوں کا ایک جوڑا رکھ لیا تھا اور اس کے باپ نے کاروبار کرنے کے لیے جو چالیس رُپے دیے تھے اُس میں سے بچے ہوئے پیسے اس کے پاس تھے۔

دھنیا کہیں رُکے بغیر رات بھر چلتا رہا۔ صبح صبح وہ ایک دوسرے گاؤں کے قریب پہنچ چکا تھا، لیکن رات بھر چلتے رہنے کی وجہ سے اب وہ تھک چکا تھا اور چاہتا تھا کہ کہیں بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کرے۔ اگر موقع مل جائے تو تھوڑی سی دیر سو بھی لے۔ ایسی جگہ صرف گاؤں کی سرائے ہی ہو سکتی تھی جہاں اُسے کچھ دیر آرام کرنے کا موقع اور کھانا بھی مل سکتا تھا، لیکن اس گاؤں میں سرائے کہاں تھی اُسے معلوم نہ تھا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کوئی آدمی نظر آجائے تو اس سے سرائے کا پتا پوچھے۔ اتفاق سے اُسے سامنے سے ایک کسان آتا ہوا

نظر آیا۔ دھنیے نے اُسے آگے بڑھ کر سلام کیا اور سرائے کا پتا پوچھا۔ اس آدمی نے کہا:

"یہ بہت چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں سرائے کہاں؟ تم مسافر معلوم ہوتے ہو، میرے ساتھ گھر چلو اور جو کچھ گھر میں موجود ہے کھا کر آرام کرو۔"

دھنیا اس آدمی کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ منھ ہاتھ دھو کر اُس نے ناشتا کیا۔ جب وہ ناشتا کر چکا تو اس کے میزبان نے کہا کہ اب وہ آرام کرے، کیوں کہ اب اس آدمی کو اپنے کھیت پر جانا ہے۔ دھنیے کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی کہ وہ تو گھر میں پڑا آرام کرتا رہے اور اس کا میزبان کھیت میں محنت کرتا رہے۔ چناں چہ وہ بھی اپنے میزبان کے ساتھ کھیت پر آ گیا اور اپنے میزبان کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ میزبان کے گھر سے دونوں کا کھانا آ گیا۔ کھانا کھا لینے کے بعد دھنیے نے اپنے میزبان سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر آرام کرلے اس کے بدلے دھنیا خود کھیت میں ہل چلائے گا۔ پہلے تو اس کا میزبان اس بات پر تیار نہ ہوا، لیکن جب دھنیے نے بہت ضد کی تو مجبوراً میزبان کو خاموش ہونا پڑا۔ اس طرح دھنیا کھیت میں ہل چلانے لگا۔ اُسے ہل چلاتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس کا ہل زمین میں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ دھنیے نے وہاں کی زمین کھودی تو زمین میں سے ایک لوہے کا صندوق نکل آیا۔ اُس نے جب صندوق کھولا تو اس میں اُسے بے شمار سونے کے سکّے نظر آئے۔ دھنیا وہ صندوق اپنے میزبان کے پاس لے آیا۔ میزبان اتنی ساری دولت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آدھی دولت اُس نے دھنیے کو دی، لیکن دھنیے نے وہ رقم لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ دولت میزبان کی زمین سے نکلی ہے، اس لیے میزبان ہی کا حق ہے۔ اِدھر میزبان کا کہنا تھا کہ اس زمین پر تو وہ برسوں سے ہل چلا رہا ہے، لیکن اُسے یہ دولت نہیں ملی، لیکن دھنیے نے پہلے ہی دن ہل چلایا اور اُسے پہلے ہی دن یہ دولت مل گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت دھنیے ہی کی قسمت سے ملی ہے۔ غرض بڑی بحث کے بعد میزبان کی ضد کی وجہ سے دھنیے نے اس میں سے چوتھائی رقم قبول کر لی۔ شام کو وہ اپنے میزبان کے ساتھ ہی اس کے گھر آ گیا اور رات بھر آرام کرنے کے بعد دوسرے دن صبح ہی صبح راج گڑھ جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

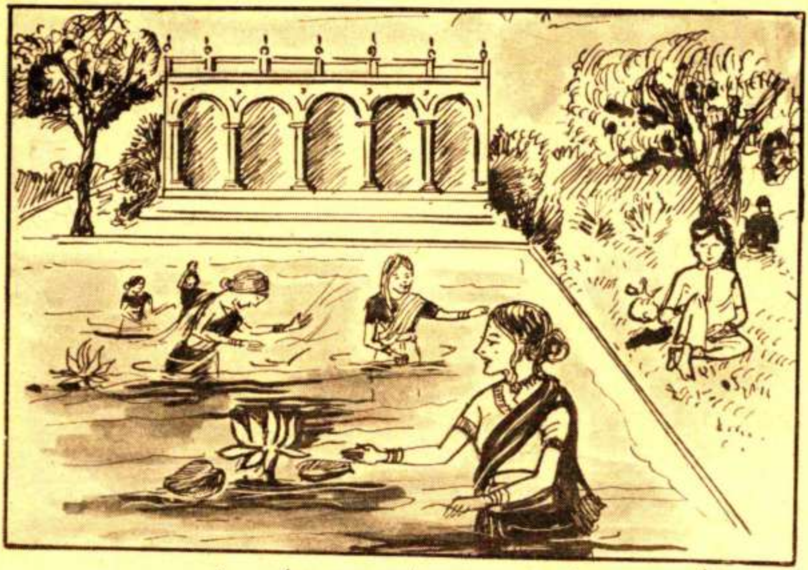

راج گڑھ ایک بڑا شہر تھا اور وہاں ایک راجا شمرنیکا حکومت کرتا تھا۔ دو پہر سے پہلے ہی دھنیا راج گڑھ کے قریب پہنچ گیا۔ شہر سے باہر ایک خوب صورت باغ میں دھنیا تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے رُک گیا۔ یہ بڑا خوب صورت باغ تھا، اس میں ایک تالاب بھی تھا، جس میں کنول کے خوب صورت پھُول کِھلے ہوئے تھے۔ دھنیے نے دیکھا کہ کچھ خوب صورت لڑکیاں اس تالاب میں کھیل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی جو بہت زیادہ خوب صورت تھی اچانک ایک کنول کا پھُول توڑنے کے لیے بڑھی۔ یہ پھُول تالاب میں تازہ تازہ کِھلا تھا اور بہت خوب صورت لگ رہا تھا اور تھا بھی تالاب کے بالکل بیچ میں۔ لڑکی پھُول کے قریب پہنچی تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور پانی میں ڈوبنے لگی۔ اب تو وہ لڑکی گھبرائی اور مدد کے لیے چیخنے لگی۔ اس کی سہیلیاں بھی گھبرا کر مدد کے لیے شور مچانے لگیں۔ اس تالاب کے کنارے ایک عمارت بھی بنی ہوئی تھی جہاں اس وقت کچھ آدمی موجود تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ پانی میں اُترنے سے ڈر رہے ہوں۔ اتنی دیر میں لڑکی غوطے کھانے لگی تھی۔ دھنیے نے لڑکی کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی تالاب میں کُود پڑا اور

تیر کر لڑکی تک پہنچ گیا۔ اتنی دیر میں لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ دھنیے نے لڑکی کو اُٹھا کر کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ کنارے پر پہنچ گیا۔ لڑکی کو پانی سے نکال کر اس نے زمین پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی ہوش میں آگئی اور دھنیے کا شکریہ ادا کر کے اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد باغ کے مالی اور تالاب کے سامنے بنی ہوئی عمارت میں کھڑے ہوئے آدمیوں نے دھنیے کو بتایا کہ جس لڑکی کو اس نے بچایا ہے وہ راج گڑھ کے راجا شر نیکا کی بیٹی پشپا وتی تھی، یعنی اس نے شہزادی کی جان بچائی ہے۔ پشپاوتی، راجا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ابھی وہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ راجا کے سپاہی وہاں پہنچ گئے۔ ان کے سردار نے پوچھا کہ وہ لڑکا کون ہے جس نے شہزادی کی جان بچائی ہے؟ سب لوگوں نے دھنیے کی طرف اشارہ کیا، تو سردار نے دھنیے سے کہا کہ وہ راجا کے پاس چلے، کیوں کہ راجا اس سے ملنا چاہتا ہے۔

دھنیا جب ان سپاہیوں کے ساتھ راجا کے پاس پہنچا تو راجا نے اُسے بتایا کہ اس کی بیٹی نے اسے تمام واقعہ سُنا دیا ہے۔ دھنیے کی بہادری اور ہمّت سے راجا بہت خوش ہے اور چوں کہ دھنیے نے راجا کی اکلوتی بیٹی کی جان بچا کر اُس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس لیے راجا اُسے انعام دینا چاہتا ہے، لیکن دھنیے نے ادب سے کہا کہ وہ انعام کا خواہش مند نہیں ہے، کیوں کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا فرض تھا۔ دھنیے کے اس جواب سے راجا بہت خوش ہوا اور اس نے کہا:

"اگر تم ہم سے نقد انعام نہیں لینا چاہتے تو ہم تمھیں ایک دوسرا انعام دیں گے۔ اس انعام سے تم انکار نہیں کرو گے اور وہ انعام یہ ہے کہ چوں کہ تم نے شہزادی کی جان بچائی ہے اور اگر تم اس کی جان نہ بچاتے تو ہماری بیٹی ہمیشہ کے لیے ہم سے جُدا ہو جاتی۔ اس کے بعد ہماری سلطنت کا وارث بھی کوئی نہ ہوتا۔ اس لیے اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم سے شہزادی پشپاوتی کی شادی کر دی جائے۔"

یہ انعام واقعی ایسا تھا جس سے دھنیا انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ تھوڑے دن بعد دھنیا اور پشپاوتی کی شادی ہوگئی اور دھنیا راج گڑھ کے ولی عہد کی حیثیت سے راج گڑھ میں رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنے ماں باپ کو بھی اپنے پاس بُلا لیا۔

بزمِ ہمدرد نونہال دوسرے اجلاس کی رُوداد

شہزاد منظر

میں بینڈ باجے کا شور سُن کر ڈر گیا : شان الحق حقّی
میں ریت میں پیر چھپا کر مکان بنایا کرتا تھا : حکیم محمّد سعید

زندگی میں کام یابی، کام رانی، ترقی اور وطن کی خدمت کا اہل بننے کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ علم کتاب سے حاصل ہوتا ہے، مگر سچ یہ ہے کہ علم عالموں اور بزرگوں کی صحبت سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمدرد فاؤنڈیشن نے عزیز نونہالوں کے لیے "بزمِ ہمدرد نونہال قائم کی ہے۔ اس بزم کے ذریعہ سے نونہالوں کو پاکستان کے مشہور ادیبوں

جناب شان الحق حقّی اور جناب حکیم محمّد سعید اور انعام پانے والے نونہال

سائنس دانوں، رہنماؤں، عالموں سے ملوانے کا اہتمام کیا گیا ہے، جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اچھے کام اور علمی کارنامے انجام دیے ہیں جنھیں پاک وطن سے محبّت ہے اور جو پاکستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کر کے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ ہر مہینے کسی

اچھے اور بڑے انسان سے نونہالوں کی ملاقات کرائی جاتی ہے اور بچّے ان سے ان کی جدوجہد ان کی خدمات اور ان کے کارناموں کی کہانی ان کی زبان سے سنتے ہیں، ان سے باتیں کرتے ہیں اور ان سے سوالات کرتے ہیں اور اس طرح وہ ان کے بڑے اور مشہور ہونے کا راز معلوم کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ نونہال بھی ان کی طرح نیک، مشہور اور بڑے بن کر ملّت و قوم کی خدمت کر سکیں اور دنیا میں اپنے وطن کا نام روشن کرنے میں کام یاب ہوں۔

جنابِ شان الحق حقی

۱۵۔ ستمبر ۱۹۸۵ء کی بزم ہمدرد نونہال میں اردو کے مشہور ادیب، شاعر، نقاد، افسانہ نگار اور لُغت نویس جناب شان الحق حقی کو بچّوں سے ملنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ آغاز قاری افضل علی رضوی کی تلاوتِ قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد دس سالہ عدنان خالد نے سرورِ کائناتؐ کے حضور میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ اس کے بعد ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر اور بچّوں کی محبوب شخصیت جناب حکیم محمد سعید نے بچّوں سے خطاب کیا۔

جناب حکیم محمد سعید نے کہا کہ بچّوں سے باتیں کرنا بہت مشکل مسئلہ ہے۔ نونہالوں کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوتا ہے۔ میں اپنی طرف سے اور ہمدرد کی طرف سے نونہالوں کو .... خوش آمدید کہتا ہوں اور ان کے بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں جو اپنے بچّوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ گزشتہ ماہ ہونے والا بزم نونہال کا پہلا اجتماع بہت زور دار تھا اور ہنگاموں کی بزم تھی۔ اتنے بچّے آئے تھے کہ بعض کو اپنے والدین کی گود میں بیٹھنا پڑا۔ اس بار بھی کرسیاں بھری ہوئی ہیں، لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ بچّے ہوں۔

ملک میں یہ اپنی قسم کی پہلی بزم قائم ہوئی ہے۔ اس کا مقصد بچّوں کو بزرگوں کا احترام کرنا سکھانا ہے۔ اول بزرگوں سے محبّت اور دوئم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب

دینا۔

جناب شان الحق حقی ہمارے اور بچّوں کے دوست اور قابلِ احترام شخصیت ہیں۔ وہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ پاکستان کے دوست ہیں اور اپنی فکر و نظر سے پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس تقریب میں بچے ان کی زبان سے ان کی کہانی سُنیں گے کہ وہ چھوٹے تھے تو وہ کیسے تھے اور انھوں نے علم کیسے سیکھا۔ بچّے اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ آدمی بڑا کس طرح بنتا ہے۔ میں بچّوں کی مجلس میں آکر خوش ہوتا ہوں۔ مجھے اپنا بچپن یاد آگیا ہے جب میں دو سال کا چھوٹا بچہ تھا تو والدہ محترمہ نے مجھے استانی جی کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ مجھے قرآن پڑھائیں۔ مجھے یاد ہے میں ریت میں پیر رکھ کر مکان بنایا کرتا تھا۔ میں نے پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن پڑھ لیا اور جب نو سال کا ہوا تو قرآن حفظ کر لیا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج کل بہت کم والدین اپنے بچّوں کو قرآن پڑھاتے ہیں بس یہ چاہتے ہیں کہ بچّے جلد از جلد اسکول چلے جائیں۔ قرآن کی تعلیم کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے۔

حکیم صاحب نے نونہالوں سے دریافت کیا کہ یہاں بیٹھے ہوئے کتنے ایسے بچّے ہیں، جنھوں نے قرآن حفظ کیا ہے۔ جنھوں نے حفظ کیا ہے وہ ہاتھ اٹھائیں۔ (مجمع میں سے صرف دو بچّوں نے ہاتھ اُٹھائے) حکیم صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، دو سو بچّوں میں سے صرف دو بچّوں نے قرآن حفظ کیا ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اس مسٔلے پر غور کریں اور اپنے بچّوں کی تعلیم کا آغاز براہِ راست قرآنِ پاک سے کریں۔ اس کے بغیر ہم بچّوں کی عادات اور ماحول درست نہیں کر سکتے جو قرآن کی تعلیم شروع کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ میں بہت جلد ایک تحریک شروع کر رہا ہوں کہ ہر اسکول میں ہر بچّے کے لیے قرآن کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے۔ اس کے بعد کیا پڑھانا ہے یا کیا نہیں پڑھانا ہے، یہ بعد کا مسٔلہ ہے۔ اگر ہم نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا تو ہماری زندگی میں انقلاب آجائے گا۔ اِن شاء اللہ مدینۃ الحکمت میں ہمدرد اسکول میں چار ہزار بچّے قرآن کی تعلیم پائیں گے۔ اس وقت تک میں کافی بوڑھا ہو جاؤں گا، لیکن بچّوں سے خوب باتیں، مزے دار باتیں کیا کروں گا۔

جناب محترم حکیم محمد سعید صاحب نے اعلان کیا کہ ان شاء اللہ جنوری ۱۹۸۶ء میں بزمِ

نونہال کی مجلس مدینۃ الحکمت میں ہو گی۔ سارے بچّوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا جہاں سے ہمدرد اسکول کی بسیں انھیں مدینۃ الحکمت لے جائیں گی جہاں کراچی کا سب سے بڑا باغ ہے۔ جہاں مختلف پھلوں کے بیس ہزار درخت ہیں۔ بچّے وہاں پھل توڑ اور کھا سکیں گے۔ حکیم محمد سعید صاحب نے اس کے بعد جناب شان الحق حقی کو بچّوں سے باتیں کرنے کی دعوت دی۔

جناب شان الحق حقی نے بچّوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ وہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور اسکول کے نصاب کے علاوہ بھی وہ تاریخ ضرور پڑھیں۔ اس لیے کہ یہ کہانی کی طرح دل چسپ ہوتی ہے۔ اس میں بہت سی حقیقتیں ہوتی ہیں۔ آدمی اس سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں کون لوگ کیا تھے۔ مجھے ہمیشہ سے تاریخ سے دل چسپی رہی ہے۔ ایک مفکر نے کہا ہے کہ بچّہ آدمی کا باپ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کا بچّہ بڑا ہو کر باپ بن جاتا ہے۔ اس لیے بچّوں پر بہت کچھ انحصار ہوتا ہے، لیکن ہماری نسل نے ان پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے اور ہم نے ان کی اچھی اور معقول تعلیم کا بھی انتظام نہیں کیا، اگر ہم انھیں تعلیم نہیں دے سکتے تو کیا فائدہ ہے آزادی کا؟ میں اپنی نسل کی جانب سے ان سے بہت شرمندہ ہوں، لیکن مایوس نہیں ہوں۔ مجھے امید ہے آپ کی نسل اہم کارنامے انجام دے گی۔

جناب حقی نے نونہالوں کو مشورہ دیا کہ وہ تعلیم اور صحّت کی طرف خاص توجہ دیں۔ انھوں نے مغرب کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہاں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کوئی نہ کوئی نئی ایجاد نہ ہوتی ہو، لیکن ہمارے ہاں یہ عمل نہیں ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔ ہمارے بچّوں کو بھی اگر اچھی تعلیم دی جائے تو وہ بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔

جناب حقّی نے اپنے بارے میں کہا کہ میں نے اپنے فرائض ذمے داری کے ساتھ انجام دیے ہیں۔ بچپن اور لڑکپن میں جو کام میرے سپرد کیا گیا، میں نے اسے انجام دیا۔ میری بسم اللہ بڑی دھوم دھام سے ہوئی، مجھے سہرا باندھا گیا، خوب بتیاں جلائی گئیں، خوب تصویریں بنائی گئیں۔ والد صاحب نے اس موقع پر بینڈ باجے کا بھی انتظام کیا، لیکن میں

بینڈ باجے کا شور سُن کر ڈر گیا اور رونے لگا۔ مجھے بھی قرآن کی تعلیم کے لیے استانی جی کے سُپردِ کر دیا گیا۔ ہمارے زمانے میں نرسری اسکول نہیں تھے۔ چناں چہ گھر پر پھوپھی جان مجھے پڑھاتی رہیں۔ انھوں نے مجھے کہانیاں اور حکایتیں سنائیں اور میں نے اردو ان کی آغوش میں سیکھی، البتہ مولوی صاحب نے قاعدہ بغدادی پڑھایا۔ ایک دن ایک میم صاحبہ اپنے گھر سے لڑ کر ہمارے ہاں چلی آئیں اور ہمارے ہاں رہنے لگیں، انھوں نے مجھے انگریزی پڑھائی اور نرسری رائمز سکھائی۔ ان انگریز خاتون کے جانے کے بعد میرا اسکول میں داخلہ ہو گیا۔ میں نے ٹاٹ کے فرش پر بیٹھ کر پڑھا۔ اس زمانے میں نہ پنکھا تھا اور نہ فونٹن پن اور اور بال پن۔ ہم سلیٹ پر لکھتے تھے اور سردی اور گرمی کی پروا کیے بغیر پڑھتے تھے۔ میں آج جب یاد کرتا ہوں تو ابتدائی جماعت سے لے کر آج تک میرے تقریباً سو ایسے استاد ہیں جن سے میں نے مختلف اوقات میں تعلیم حاصل کی ہے۔ میں نے دہلی، پشاور، علی گڑھ اور لندن میں تعلیم حاصل کی۔ اتفاق سے میرے استادوں میں آج سوائے دو کے کوئی زندہ نہیں ہیں، ان میں ایک پروفیسر خواجہ منظور حسین صاحب ہیں، جن کی عمر اس وقت ۸۴ سال ہے اور دوسرے شیخ عبد الرشید صاحب جو ۹۰ سال کے ہیں۔ خدا ان کو تادیر سلامت رکھے۔ میں نے زندگی میں وقت کو غنیمت سمجھا اور وقت کی قدر کی۔ میں نے امریکا اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر کیا، میں نے ان ملکوں کی ترقی کا سبب جاننا چاہا۔ میں نے وہاں جو باتیں دیکھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وقت کی بہت قدر کرتے ہیں اور وقت کو دولت سمجھتے ہیں۔ وقت بہت محدود ہوتا ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے اسے مرنا پڑتا ہے اس لیے جو چیز محدود ہو اسے احتیاط سے خرچ کرنا چاہیے۔ تفریح، کھیل کود اور دوسرے کاموں میں بھی حصّہ لینا چاہیے، لیکن وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بچّوں کے مسائل

جناب حکیم محمد سعید

پر غور کرنے اور اسے حل کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ساری اُمیدیں آپ لوگوں سے ہیں۔ شاید آیندہ نسل زیادہ سمجھ دار ہو گی۔

جناب شان الحق حقی نے جناب حکیم محمد سعید کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں زبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ حکیم صاحب نے ملک و ملّت کی بڑی خدمت کی ہے اور مختلف میدانوں میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ ہماری تاریخ میں حکیم صاحب جیسی بہت کم شخصیتیں ہیں۔ ان کے کارنامے بیان کرنے کے لیے گھنٹوں چاہییں۔

جناب شان الحق حقی نے کہا کہ میں نے کتابوں سے زیادہ، شخصیتوں سے سیکھا ہے۔ میں جب علی گڑھ میں پڑھتا تھا تو وہاں بڑے بڑے لیڈر، وائسرائے ہند، نظامِ دکن، قائدِ اعظم جناح، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جیسے قومی رہنما آتے تھے اور تقریریں کرتے تھے۔ تعلیم صرف کتابوں سے ہی نہیں، بڑی بڑی شخصیتوں کی صحبت سے بھی حاصل ہوتی ہے بلکہ کتابوں سے زیادہ شخصیات سے حاصل ہوتی ہیں۔ سچّی بات ہے ابتدائی عمر میں مجھے کتابوں سے وحشت ہوتی تھی۔ اس میں بچّوں کا اتنا قصور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاب میں کتابیں غیر دل چسپ انداز میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ بچّوں کی دل چسپیوں سے واقف ہو کر اور ان کے دِل میں اُتر کر اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق کتابیں لکھنا ضروری ہے، لیکن مشکل کام ہے۔ ابتدا میں بچّوں کے رسالے میں لکھتا تھا اور جب میری کوئی چیز شائع ہو کر آتی تھی تو میں بہت خوش ہوتا تھا۔ میں نے اردو لُغت بورڈ میں اعزازی سکریٹری کے طور پر کام کیا اور الفاظ تلاش کرنے کے لیے تقریباً سولہ سو کتابیں پڑھیں۔ اور اردو لغت کے لیے تقریباً دو لاکھ کارڈ اپنے ہاتھ سے لکھے۔ اس لغت میں ہر لفظ کے ساتھ اس کی مثال بھی دینی پڑتی ہے۔ چناں چہ میں نے کبھی کبھی ساری رات جاگ کر کتابوں کا مطالعہ کیا۔ یہ لغت ہمارے بڑے کاموں میں سے ایک ہے جو پاکستان میں انجام پا رہا ہے۔

اس کے بعد بچّوں کو جناب حقّی سے سوالات کرنے کی دعوت دی گئی۔ ایک بچّے نے دریافت کیا کہ "حقّی" آپ کا تخلص ہے یا آپ کا خاندانی نام ہے۔ جناب حقّی نے کہا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں وہ احادیث اور تاریخ کے بہت

نونہال پوری توجہ سے بزرگوں کی باتیں سُن رہے ہیں۔

بڑے عالم تھے۔ وہ میرے جد اعلا تھے۔ انھوں نے تقریباً سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، ہمارے خاندان کے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ حقّی لکھا کرتے تھے۔ میں نے جب شعر کہنے شروع کیے تو میں تخلص کے طور پر بھی حقّی لکھنے لگا۔ یہ میرا خاندانی نام بھی اور تخلص بھی ہے۔

ایک بچّے نے پوچھا کہ آپ کے پہلے مضمون کا عنوان کیا تھا اور کب اور کس رسالے میں شائع ہوا۔ جناب حقّی نے کہا کہ میرا پہلا مضمون بچّوں کے رسالے "ہونہار" میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان ملیریا تھا۔ یہ مضمون گفت گو کے انداز میں لکھا گیا تھا۔

ایک بچّے نے سوال کیا کہ آپ کو شاعری کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟

جناب حقّی نے کہا کہ شاعری کا ہمارے ہاں عام ذوق تھا جس طرح تاریخ مسلمانوں کا روایتی علم ہے اس طرح شاعری بھی ان کی روایت میں شامل ہے۔ میں جس ماحول میں رہتا تھا اس میں شاعری کا عام چرچا تھا۔ مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ماحول کا انسان پر اثر ہوتا ہے۔ چناں چہ میں بھی شعر کہنے لگا اور مشاعرے میں جانے لگا۔ جب لوگوں نے اسے سراہا تو میں نے اس کی جانب سنجیدگی سے توجہ دی۔ میں نے دنیا کی دوسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

پاکستان اسٹیل

اب پوری طرح اپنے پیداواری عمل کا آغاز کرچکا ہے

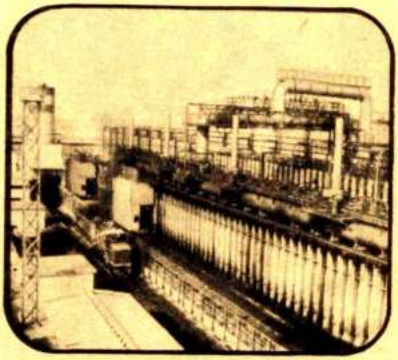

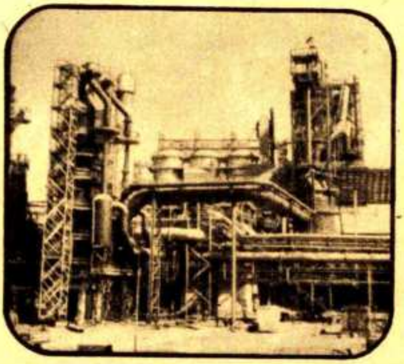

تقریباً تین سال سے زیادہ عرصے سے ہمارے کارخانے بلاسٹ فرنیس، کوک اوون بیٹری، سنٹرنگ پلانٹ اور تھرمل پاور پلانٹ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اسٹیل میکنگ کمپلیکس اور بلٹ مل کو بھی اطمینان بخش طور پر کام کرتے ہوئے دو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔

ہاٹ اسٹرپ مل، جسکی تکمیل دسمبر ۱۹۸۳ء میں ہوئی، مسلسل مصروفِ کار ہے۔ کولڈ رولنگ مل بھی دسمبر ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوچکا ہے اور اس کے تمام حصوں میں کام ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ہمارے انجینئروں، مشیر ماہرین و دیگر کارکنوں کی محنت کی بدولت پاکستان اسٹیل ہر طرح مکمل ہے اور ساتھ ہی......

ایک عظیم مقصد بھی!

پاکستان اسٹیل

فولاد۔ مضبوط پاکستان کی بنیاد

زبانوں کی شاعری کا بھی مطالعہ کیا ہے اور شیکسپیئر کے "انطونی کلو پطرہ" کا نظم میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مغرب میں ہماری شاعری کا کوئی جواب نہیں ہے اور دنیا کی بہت سی زبانوں کی شاعری بچکانہ لگتی ہے۔ البتہ ان کے ہاں ناول اور افسانے بہت آگے ہیں۔ ڈراما ہمارے پاس نہیں ہے۔ انگریزی میں سائنسی اصطلاحات بے شمار ہیں، لیکن اردو میں نازک خیالات کے اظہار کی جو صلاحیت ہے وہ کسی دوسری زبان کی شاعری میں نہیں ہے۔ اردو نے عربی، فارسی اور ہندی کا سارا رس لے لیا ہے۔ دنیا کی کسی زبان کی شاعری اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جناب حقّی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میری پہلی نثری کتاب "بہادر شاہ ظفر کی شاعری اور شخصیت" ہے، جو ۱۹۴۵ء میں انجمن ترقی اردو، دھلی سے شائع ہوئی۔

اس کے بعد جناب تصویر حسین حمیدی نے جناب شان الحق حقّی کی لکھی ہوئی پہیلیاں پڑھ کر سُنائیں اور اعلان کیا کہ جو نونہال پہیلیاں بوجھے گا اسے محترم حکیم محمد سعید صاحب اپنی کتاب "نورستان" انعام میں دیں گے۔ اس موقع پر مندرجہ ذیل پہیلیاں پڑھی گئیں۔

(۱) کیوں نہ ہو شہر میں بدنام بھلا
اون میں ٹاٹ کا پیوند لگا
(اونٹ)

(۲) صحن میں پھیلی پیلی چادر
کوئی داغ نہ دھبہ جس پر
یوں چاہو تو سَر پر تانیں
اس پر پاؤں دھرو تب جانیں
(دھوپ)

(۳) بھاری بھرکم ایک استانی جس کا منہ ہے نہ کان
پھر بھی جو پوچھو بتلائے گی، اس کے پیٹ میں ساری زبان
(لُغت، ڈکشنری)

(۴) اس دنیا میں آنکھ سے اوجھل ہے اِک ایسا بن دریافت
جس میں لاکھ طرح کے پودے، پر نہیں سرو سمن دریافت
(سمندر)

مسکراتے ہوئے حاضرین

(۵) ہر دم اِک ریلا سا آوے ہر دَم لوٹ کے جاوے
دیکھتے ہیں چو کھونٹا پر چو کھونٹا نہیں کہاوے (گول)

(۶) آدھی رات کو آیا بڈھا اگلی رات سدھارا
کے دن ہیں اب آئے گا بولو تم جیتے میں ہارا (ہیر کا دن)

(۷) دن فرمائیں آپ تو دن ہے، رات کہیں تو رات
یوں بھی سچی، یوں بھی سچی آپ کے منہ کی بات (جمعرات)

پہیلیاں بوجھنے میں غزالہ طیب، تنویر سرور، زرقا بھٹی، پیرزادہ آفتاب کیرانوی، محمد حسین، اسد اور شازیہ کام یاب ہوئیں۔ ان کو جناب حکیم محمد سعید صاحب نے انعامات دیے۔ سوالات کرنے والوں کو بھی انعامات دیے گئے۔ حقّی صاحب نے اپنی کتاب "بھول کھلتے ہیں رنگ برنگے" بچّوں کو پیش کی۔ اس روز جناب شان الحق حقّی ۶۸ سال مکمل کرکے ۶۹ ویں سال میں داخل ہوئے تھے۔ اتفاق سے اسی روز ایک بچّے نیّر عالم کی تیرھویں سال گرہ بھی تھی۔ چناں چہ اس موقع پر سال گرہ کے دو کیک کاٹے گئے۔ جناب حقّی کی سال گرہ کا کیک کتاب کی صورت میں تھا جو

اس بات کی علامت تھی کہ انھوں نے ساری عمر کتابیں پڑھنے اور لکھنے میں گزاری ہے۔ اس کے بعد کام یاب نونہالوں نے محترم حکیم محمد سعید اور جناب شان الحق حقی صاحب کے ساتھ گروپ تصویریں بنوائیں۔ آخر میں ہمدرد نونہال کے مدیرِ اعلا جناب مسعود احمد برکاتی نے بچّوں کو مخاطب کیا۔ انھوں نے حقی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی علمی ادبی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کو ستارۂ امتیاز ملنے پر اور ۶۸ ویں سال گرہ پر مبارک باد دی۔ انھوں نے بچّوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں سب سے پہلے بچّوں کا شکریہ ادا کروں، لیکن ہماری تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پہلے بڑوں کو آداب کرتے ہیں۔ انھوں نے بچّوں کے والدین اور بزم میں شرکت کرنے والے ادیبوں اور صحافیوں کا بھی شکریہ ادا کیا۔ برکاتی صاحب نے کہا کہ شکریہ ایک لفظ نہیں ہے بلکہ ایک تہذیب ہے، ایک جذبہ ہے۔ آخر میں انھوں نے بزم ہمدرد نونہال کو زیادہ مفید و دل چسپ بنانے کے لیے تجویزیں بھیجنے کی دعوتِ عام دی۔ آخر میں جناب شان الحق حقی کا ترجمہ کیے ہوئے شیکسپیئر کے ڈرامے "انطونی کلوپطرہ" کی فلم دکھائی گئی جو پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس گرلز اسکول کی طالبات نے اسٹیج کیا تھا۔ آخر میں بچّوں اور بڑوں کی چائے اور کیک سے تواضع کی گئی۔

کوپن بزم ہمدرد

نام ________ والد صاحب کا نام ________

تاریخِ پیدائش ________

گھر کا پورا پتا جہاں خط پہنچ جائے ________

درس گاہ کا نام اور پتا ________

نام صدر درس گاہ ________

ہمدرد نونہال کتنے عرصے سے پڑھ رہے ہیں ________

(جن بچّوں نے یہ کوپن بھر کر نہیں بھیجا ہے وہ اب بھیج دیں)

ہمدرد گھٹی

بچوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود بچوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

مُسکراتے رہو

☆ دو پاگل ایک پاگل خانے سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دُور جاکر انھیں ایک نہر نظر آئی۔ ایک پاگل نے اس میں چھلانگ لگادی۔ دوسرا پاگل بھی غافل نہیں تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے کود پڑا اور اپنے ساتھی کو بچا لیا۔ پھر دونوں پاگل واپس پاگل خانے آگئے۔

دوسرے پاگل نے سارا قصّہ سپرنٹنڈنٹ کو سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہا، "تم اب پاگل نہیں ہو۔ تم نے بہت بہادری اور عقل مندی دکھائی ہے۔ کل تم اپنے گھر جاسکتے ہو۔"

اتنے میں ایک اردلی نے آکر سپرنٹنڈنٹ کے کان میں کچھ کہا۔ سپرنٹنڈنٹ نے پاگل سے مخاطب ہو کر کہا، "ایک بُری خبر ملی ہے کہ جس آدمی کو تم نے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ اس نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی ہے۔"

پاگل نے فخر سے کہا، "نہیں صاحب، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ دراصل وہ بہت بھیگ گیا تھا، اس لیے سُکھانے کے لیے میں نے خود اسے لٹکایا ہے۔"

مرسلہ: طارق عمران تنولی، جیکب آباد

☆ ایک کنجوس آدمی بازار گیا۔ اس کے پاس ایک رُپے کا نوٹ تھا۔ وہ سارا دن بازار میں گھومتا رہا اور نوٹ کو ہاتھ میں دبائے رکھا۔ جب شام کو واپس جانے لگا تو اس نے مٹھی کھول کر اطمینان کرنا چاہا کہ آیا نوٹ موجود ہے یا نہیں۔ مٹھی کھولی تو دیکھا کہ نوٹ پسینے میں بھیگ گیا تھا۔

کنجوس آدمی نے نوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "بیٹا، جتنا چاہے روئے، تمھیں خرچ تو میں کبھی نہیں کروں گا۔"

☆ کشتی ہو رہی تھی۔ تماشائیوں میں سے ایک صاحب بڑے زور سے چلّا رہے تھے، "شاباش توڑ دو، اس کے دانت توڑ دو۔ اس کے جبڑے پر مکّا مارو۔"

برابر میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا، "کیا آپ بھی پہلوان ہیں؟"

"نہیں میں تو دانتوں کا ڈاکٹر ہوں۔"

☆ ایک آدمی کو اس کے دوستوں نے مسجد کے لیے چندہ دینے کے لیے کہا تو اس نے جھٹ پچاس رُپے کا چیک لکھ دیا۔ سب نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ اس چیک پر دستخط بھی کر دو۔

کنجوس بولا، معاف کیجیے گا میں نیک کاموں میں اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

مرسلہ: ناصر حمید، کراچی

☆ کیمسٹری کے پروفیسر اپنی بیوی سے سخت ناراض ہو گئے۔ بیوی رونے لگی۔ بیوی کو روتا دیکھ کر پروفیسر بولے، بیگم، تم خواہ مخواہ رو رہی ہو، حال آنکہ تمھارے آنسوؤں کی کوئی اہمیت نہیں، ان میں ہے ہی کیا، تھوڑا سا فاسفورس، تھوڑا سا سالٹ اور ذرا سا سوڈیم کلورائڈ اور باقی پانی کے چند قطرے۔

☆ تین دوست ایک ہوٹل میں داخل ہوئے، بیرا آرڈر لینے آیا۔

پہلا دوست بولا، "میرے لیے چکن سینڈوچ لے آؤ۔" بیرا بولا، "نہیں آپ مٹن چانپ منگوائیں۔" دوسرا دوست بولا، "میرے لیے دو آملیٹ لے آؤ۔" بیرا بولا، "اتنی گرمی میں یہ ٹھیک نہیں ہے آپ بھی مٹن چانپ ہی منگوائیں۔" تیسرا دوست بولا، "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا منگواؤں، بیرا تم ہی مشورہ دو!" بیرا جھنجلا کر بولا، "آپ کمال کرتے ہیں، میرے پاس اتنا ٹائم کہاں ہے کہ گاہکوں کو مشورے دیتا پھروں۔" مرسلہ: راؤ ذوالفقار علی معوز، منٹھو کوٹ

☆ پروفیسر صاحب مختلف تیزابوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رُکے اور انھوں نے جیب سے اٹھنّی نکالتے ہوئے طلبہ کی طرف دیکھ کر کہا، "میں یہ اٹھنّی تیزاب سے بھرے اس گلاس میں ڈال رہا ہوں، کیا یہ گھل جائے گی؟"

ایک طالبِ علم نے کہا، "ہر گز نہیں، کیوں کہ اگر یہ اٹھنّی گھل جاتی تو اسے آپ تیزاب میں ہرگز نہ ڈالتے۔"

مرسلہ: سید امتیاز علی زیدی، کراچی

☆ ایک امیدوار جو بہت ہی مغرور تھا اور لوگوں کو انسان نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے ہی حلقے میں ووٹ مانگنے کے لیے تقریر کرتے ہوئے اپنے لیے جو الفاظ استعمال کیے اس کی تاب نہ لاتے ہوئے سامعین سے ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا، "سنا ہے آپ تو بہت ہی مغرور قسم کے آدمی ہیں۔"

"یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی۔ اگر میں مغرور ہوتا تو آپ جیسے ٹکے ٹکے کے لوگوں سے آکر کبھی ووٹ نہ مانگتا۔"

☆ ٹی وی پر ایک مشہور گلوکار کو گانے کے لیے مدعو کیا گیا۔ جب گلوکار نے اپنا معاوضہ بتایا تو ٹی وی کے پروڈیوسر کی جان نکل گئی۔ اس نے مثال دیتے ہوئے کہا، "محترم، ہمارے تو ملک کے وزیر بھی اتنی تنخواہ نہیں لیتے۔" "تو کوئی بات نہیں، آپ گانے کے لیے کسی وزیر کو ہی بُلا لیجیے۔" گلوکار نے جواب دیا۔

مرسلہ: ساجد کمالوی، کمالیہ

☆ ایک دفعہ ایک صاحب کا ۲۵ ہزار روپے کا انعام نکل آیا۔ ان صاحب نے اپنے کسی دوست سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ آپ اس کی گاڑی خرید لیں۔ ان صاحب نے کہا کہ میرا ارادہ تو گائے خریدنے کا ہے۔ وہ صاحب گائے اور گاڑی میں مقابلہ کرتے ہوئے بولے کہ آپ گائے پر بیٹھ کر شہر کا چکر لگاتے ہوئے کیا اچھے لگیں گے۔ ان صاحب نے کہا کہ کیا میں اس وقت اچھا لگوں گا جب میں سب کے سامنے گاڑی کا دودھ دوہنے بیٹھوں گا۔ مرسلہ: نعیم خالد، اسلام آباد

☆ ایک پادری ایک ہندو کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔ اس نے ہندو کو متاثر کرنے کے لیے کہا، "کیا تم نہیں چاہتے کہ مرنے کے بعد سیدھے جنت میں جاؤ۔" ہندو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا، "نہیں، جنت یقیناً اچھی جگہ نہیں ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو انگریز اس پر بہت پہلے قبضہ کر چکے ہوتے۔"

مرسلہ: شبنم شفیق، راول پنڈی

☆ ایک خوشنویس کی عادت تھی کہ جو کچھ لکھتا اس میں اپنی طرف سے تھوڑا بہت ضرور بڑھا دیتا تھا۔ ایک صاحب نے قرآن کریم کتابت کے لیے دیا اور کہا، "خدا کے لیے اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ کیجیے گا۔" جواب دیا، "ہرگز نہیں بھلا کلام اللہ میں کیا زیادتی کروں گا۔" لیکن جب وہ قرآن مجید لکھ کر لایا تو ان صاحب نے کاتب سے پوچھا، "کیوں حضرت کچھ اصلاح تو نہیں کی؟" جواب دیا، "اور تو کوئی اصلاح نہیں کی، البتہ جہاں جہاں ابلیس اور شیطان کا نام آیا تھا وہاں میں نے یہ ناپاک نام لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کی جگہ آپ کے والدِ بزرگوار اور اپنے والدِ ماجد کا نام لکھ دیا۔"

مرسلہ: عصمت تاج عسکری، کوئٹہ

☆ ایک شخص نے بہت سی مرغیاں پال رکھی تھیں اور اِن کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے مثلاً "پہلوان" "بھلے دل والا"، "دلدار"، "اداکار" وغیرہ۔ ایک دن اس کے پڑوسی نے اس کی ایک مرغی پکڑی اور پکا کر کھا گیا اور اس کے پَر باندھ کر دیوار سے لٹکا دیے۔ شام کو اس شخص نے اپنی مرغی کی تلاش میں پڑوسی کے گھر جا کر پوچھا، "آپ نے میرا "دلدار" کہیں دیکھا ہے؟"

پڑوسی نے دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "وہ دیکھو، وردی اُتار کر کہیں گیا ہے۔"

مرسلہ: امیر ہاشم، مقام نامعلوم

☆ اسکاٹ لینڈ کے لوگ دنیا بھر میں کنجوسی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ وہاں کے ایک لڑکے کو راستے میں پڑے ہوئے چار آنے مل گئے۔ وہ خوشی خوشی چونی کو مٹھی میں بند کیے چل پڑا۔ جب گھر کے دروازے پر آکر مٹھی کھولی تو مٹھی پسینے سے گیلی ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً کہا کہ "چونی، تو مت رو، میں تجھے خرچ نہیں کروں گا۔"

مرسلہ: جاوید حکیم کھوکھر، ٹنڈو الہ یار

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔
SAFI
صافی
BLOOD PURIFIER
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

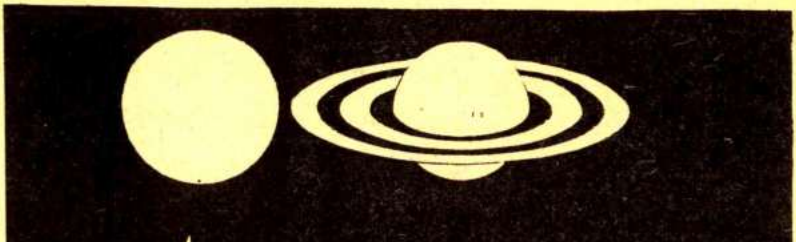

حلقوں والا سیّارہ ـــــ زحل

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہماری زمین کے علاوہ آٹھ سیّارے اور بھی ہیں جو سورج سے مختلف فاصلوں پر رہتے ہوئے مختلف رفتاروں کے ساتھ اُس کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔ یہ نو سیّارے مل کر نظامِ شمسی کہلاتے ہیں۔

ان میں طرح طرح کے سیّارے شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے سوا کسی اور سیّارے پر ہماری جیسی زندگی اور رونق موجود نہیں، لیکن دُور سے دیکھنے پر بڑے دل چسپ منظر دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر زُحل کو ہی لے لیجیے جو نظامِ شمسی کا پانچواں سیارہ ہے اور ہماری زمین سے بہت بڑا ہے۔ زمین کا قطر آٹھ ہزار میل ہے، لیکن زحل کا قطر ۷۵ ہزار میل سے زیادہ ہے۔ اس سے بھی زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ زحل کے نو چاند ہیں جب کہ ہماری زمین کا صرف ایک چاند ہے۔

خیال ہے کہ کسی زمانے میں زحل کے دس چاند تھے۔ کشش کی وجہ سے سب سے قریب کا چاند ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے ریزے چند حلقوں کی شکل میں زحل کے چاروں طرف لپٹ گئے اور وہ بھی گھومنے لگے۔ اب زحل کا قریب ترین چاند "مماس"، اُس کے مرکز سے صرف ایک لاکھ پندرہ ہزار میل دُور ہے، حال آنکہ ہمارے چاند کا فاصلہ تقریباً ڈھائی لاکھ میل ہے۔

چوں کہ زُحل ہماری زمین کے مقابلے میں بہت بڑا اور کہیں زیادہ کمیّت رکھنے والا ہے، اس لیے اُس کی کشش بھی بہت زیادہ ہے۔ خیال ہے کہ پرانے زمانے میں اس زبردست کشش کی وجہ سے ہی زحل کے قریبی چاند کے ٹکڑے ہو گئے اور وہ حلقے وجود میں آئے جن کی وجہ سے

یہ سیارہ بڑا خوب صورت نظر آتا ہے۔ ان حلقوں کی چوڑائی تو چالیس ہزار میل ہے، لیکن موٹائی دس میل سے زیادہ نہیں۔ زحل کے چاند ان حلقوں سے باہر رہتے ہیں۔

دُور بین سے دیکھنے پر زحل کے چاروں طرف لپٹا ہوا یہ حلقہ تین مخصوص حصّوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے یعنی بیرونی حصّہ، درمیانی حصّہ اور اندرونی حصّہ۔ یہ حلقے سورج کی روشنی پڑنے سے چمکتے ہیں۔ چوں کہ زحل زمین کے مقابلے میں سورج سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے اس لیے وہ کہیں زیادہ ٹھنڈا بھی ہے۔ خیال ہے کہ یہ حلقے بھی تقریباً منجمد رہتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ زیادہ چمکتے ہیں۔

مختلف حلقوں کے درمیان کئی کئی ہزار میل جگہ خالی ہے۔ یہاں کوئی چیز موجود نہیں۔ قدرتی اصول یہ ہے کہ خلا میں کوئی چیز ایک جگہ ٹھیر نہیں سکتی۔ اُسے کسی بڑے مرکزی جسم کے چاروں طرف گھومنا پڑے گا یا وہ اُس جسم پر گر جائے گی۔ یہی صورت ان حلقوں کی ہے۔ ان میں جو مادی ٹکڑے چھپے ہیں وہ مستقل طور پر زحل کے چاروں طرف گھومتے رہتے ہیں۔ چوں کہ زحل ہماری زمین سے بہت بڑا ہے، اس لیے اُس کی کشش بھی زیادہ ہے یعنی اگر آپ وہاں کسی طرح پہنچ جائیں تو آپ کا وزن بہت زیادہ ہو جائے گا۔

آپ کو یہ پڑھ کر تعجب ہو گا کہ زحل جتنے عرصے میں سورج کے چاروں طرف ایک بار گھومتا ہے، وہ عرصہ ہمارے ۲۹ سال کے برابر ہے یعنی زحل کا ایک سال ہمارے ۲۹ سال کے برابر ہوتا ہے، لیکن اُسے اپنے محور پر ایک بار گھومنے میں ہمارے دس گھنٹے لگتے ہیں یعنی وہاں صرف پانچ گھنٹوں کا دن اور پانچ گھنٹوں کی رات ہوتی ہے۔ اُس کے قُطبین بہت چپٹے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس پر ہزاروں میل کی اونچائی تک کثیف گیسیں چھائی ہوئی ہیں۔ زبردست خنکی نے ان گیسوں کو اور بھی کثیف بنا دیا ہے۔

سورج سے ہماری زمین کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل کے قریب ہے، لیکن سورج سے زحل اس کے مقابلے میں تقریباً دس گنا زیادہ دُور ہے۔ ایک ارب میل کے قریب۔ چوں کہ مشہور اطالوی سائنس داں گیلیلو نے دُور بین کے ذریعے سے آسمان کی سیر کی تھی اس لیے اُسی نے زحل کے حلقے بھی دیکھے تھے۔ یہ سترھویں صدی کی بات ہے۔ اُسی وقت سے ہیئت داں اِن حلقوں میں دل چسپی لے رہے ہیں۔

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کر کے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی بھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: سید خالد شفیق، کراچی

بھولے سے مجھ کو یاد نہ آئی تری کبھی
اور تو نے ایک پل بھی بھلایا نہیں مجھے
کس کس بہانے رزق دیا تو نے اے کریم
بھوکا تو ایک شب بھی سلایا نہیں مجھے
آئی نہ تیرے لطف و کرم میں کبھی کمی
گو اس کا مستحق کبھی پایا نہیں مجھے
دل سے ترے حضور میں حاضر ہوں اے رحیم
تیرا کرم کہ در سے ہٹایا نہیں مجھے

نعت

مرسلہ: عالیہ رحمٰن، کراچی

حشر میں کیفیت ساری کھل جائے گی
بے نمازی کی صورت بدل جائے گی
بے نمازی سے پوچھے گا جب یہ خدا
تم کو دنیا میں میرا بھی کچھ خوف تھا
اتنا سنتے ہی رنگت بدل جائے گی
حشر میں کیفیت ساری کھل جائے گی
ہر نمازی کو کوثر پہ بھر بھر کے جام
اپنے ہاتھوں سے دیں گے رسولؐ انام
ہر نمازی کی حسرت نکل جائے گی
حشر میں کیفیت ساری کھل جائے گی

رنگین شیشے

اطہر ندیم، پنڈی گھیب

سچ سچ بتاؤ یہ شیشے کہاں سے آئے؟ بھائی جان نے ننھے خالد سے پوچھا، جس کی میز پر کچھ رنگین چھوٹے چھوٹے نیلے پیلے شیشے پڑے ہوئے تھے۔ "آپ خفا نہ ہوں.... میں نے چرائے نہیں، امجد نے مجھے دیے ہیں" خالد نے دبی زبان سے کہا۔

"امجد تمھیں کیوں دینے لگا؟"

"میں نے اس کو الفاظ کے معنی بتائے تھے"

"الفاظ کے معنی اور تم!" بھائی جان نے تعجب سے کہا۔

"نہیں بھائی جان میں اس کو سکھا نہیں رہا تھا بلکہ اس نے کہا کہ خدا کے واسطے آج معنی بتادو، ورنہ پٹوں گا، کیوں کہ میں نے معنی یاد نہیں کیے ہیں"

"پھر.... کیا ہوا؟"

میں نے کہا "جو تمھارے ہاتھ میں لال پیلے شیشے ہیں وہ مجھے دے دو تو جب تم سے ماسٹر صاحب معنی پوچھیں گے تو میں تمھیں آہستہ سے بتادیا کروں گا"

"تو کیا وہ اس پر راضی ہو گیا؟"

"نہیں بھائی جان، پہلے تو وہ سن کر خاموش رہا پھر تھوڑی دیر بعد شاید پٹائی کے ڈر سے راضی ہو گیا"

"اچھا جناب نے اب ایسا کام بھی شروع کر دیا ہے"

"میں نے بُرا کیا کیا! زبردستی تو شیشے لیے نہیں!"

"کل ہی میں نے تمھیں بتایا تھا کہ لوگوں کو ستا کر روپیہ لینا رشوت ہے، جو اسلام میں قطعی حرام ہے"

"میں نے ستایا نہیں اور نہ رُپے لیے ہیں"

"تم نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کا جواب خدا کے دربار میں تمھیں دینا پڑے گا"

"وہ کیا؟"

"ایک تو تم نے امجد سے شیشے لیے جس پر وہ راضی نہ تھا، دوسرے تم نے اس کو معنی بتا کر ماسٹر صاحب کو بھی دھوکا دیا"

"دھوکا کیسے؟"

"تم بڑے نادان ہو، اتنا نہیں سمجھتے کہ ماسٹر صاحب نے تو یہی خیال کیا ہو گا کہ امجد سبق یاد کر کے آیا ہے اور انھوں نے اسے آگے پڑھا دیا ہو گا۔ پھر امجد کو یاد نہ کرنے کی سزا بھی نہ ملی، جس کی وجہ سے وہ بے پروا ہو گیا اور ماسٹر صاحب کو اس کا پتا تک بھی نہ چلا"

"میں نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم بے پروا ہو جاؤ اور سبق یاد نہ کرو"

"تم نے امجد کو معنی بتائے جس کی وجہ سے ماسٹر صاحب اس کے متعلق صحیح اندازہ نہیں کر سکے اور امجد بے پروا ہو گیا جس کے ذمے دار تم ہو۔ پھر تم نے اُس کے دل کو صدمہ پہنچا کر شیشے حاصل کیے نہیں معلوم اُسے یہ کتنے عزیز ہوں"

"ایسا تو حامد بھی کرتا ہے وہ بھی تو آخر مسلمان ہے"

"رفیق جو ہمارے پڑوسی کا لڑکا ہے وہ چوری کرتا ہے، تم کیوں نہیں کرتے؟"

"چوری تو خیر بڑی بات ہے۔"

"تو کیا دوسروں کو اس طرح بے پروا اور غیر ذمے دار بنانا اور اُن سے کوئی چیز حاصل کرنا اچھی بات ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ دوسروں کی طرح ہم بھی خدا کے سامنے جواب دینے کے خیال سے غافل ہو جائیں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی جو چاہیں کر گزریں۔ کسی کا غلط کام کرنا اچھائی کی دلیل نہیں۔ دلیل تو خدا کی بتائی ہوئی راہ ہے۔"

"بھائی جان، یقیناً میں نے غلطی کی۔ خدا تعالیٰ ایسے کام کو پسند نہیں کرتا تو بتائیے اب میں کیا کروں۔"

"فوراً امجد کو اس کے شیشے واپس کر دو اور اُسے سمجھا دو کہ سبق یاد نہ کرنا بُری بات ہے اور خدا سے معافی مانگو اور توبہ کرو کہ اے اللہ! میں آیندہ سے ہرگز ہرگز ایسا کام نہیں کروں گا، جو تجھے پسند نہ ہو۔"

پھول

شگفتہ یاسمین، کراچی

اسٹیشن پر بے پناہ ہجوم تھا۔ اِدھر سے اُدھر آنے جانے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خوانچے والے اپنے خوانچے سمیت کھڑے گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بلند آواز میں صدائیں لگا رہے تھے۔ کہیں سے چائے گرم کی آواز آتی تو کہیں سے ٹھنڈی بوتل اور آئس کریم کی، کوئی خستہ اور گرم کچوریاں کھانے پر اصرار کرتا نظر آرہا تھا اور کوئی بارہ مسالے کی چاٹ فروخت کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ٹرین کی سیٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر چند ہی لمحوں بعد لاہور جانے والی عوام ایکسپریس چھک چھک کرتی پلیٹ فارم پر آکر ٹھہر گئی۔ گاڑی کے رُکتے ہی مسافروں نے بوگیوں پر دھاوا بول دیا۔ ہر ایک اس کوشش میں تھا کہ وہ سب سے پہلے مع اپنے سامان و سواری کے ٹرین پر چڑھ جائے۔ اسی افراتفری میں وہ بھی کسی نہ کسی طرح خواتین کے ڈبّے میں داخل ہو گئی اور اس کے سوار ہوتے ہی گاڑی نے سیٹی دی اور اپنی منزلِ مقصود یعنی لاہور کے لیے روانہ ہو گئی۔

ڈبّے میں بہت بھیڑ تھی۔ گاڑی چلنے پر جب ذرا حواس بجا ہوئے تو نغمہ نے اپنی عادت کے مطابق اردگرد کے چہروں کو پڑھنا شروع کیا۔ لوگوں کے چہروں سے پھسلتی نغمہ کی نظر اچانک اس پر پڑی۔

ایک پھول سا بچّہ میلے کچیلے کالک لگے کپڑوں میں ملبوس ڈبّے کے فرش پر ڈرا سہما گھبرایا ہوا سا بیٹھا تھا۔ اس کی بڑی بڑی شفاف خوب صورت آنکھیں محرومیوں اور احساسِ کم تری کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے بال خشک اور گندے تھے۔ میل کی تہ اس کی کھلتی ہوئی رنگت کے گول چہرے اور سخت اور کھُردرے ہاتھوں پر صاف نظر آرہی تھی۔ اس کے ناخن بھی میلے تھے اور پاؤں جوتوں سے بے نیاز اس کے باوجود وہ دس گیارہ سال کا ایک خوب صورت بچّہ تھا۔ معصومیت اور

اداسی کی منھ بولتی تصویر۔ نغمہ اسے دل چسپی سے تکتی رہی۔ اچانک اس نے نظر اُٹھا کر نغمہ کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف مسلسل دیکھتے پاکر شرمندگی سے سَر جھکا لیا، جیسے وہ اپنے حلیے پر شرمندہ ہو۔ معصوم سے چہرے پر ندامت کا عکس دیکھ کر وہ سوچنے لگی کہ اتنے پیارے سے بچّے کو تو اُجلے اجلے کپڑے پہن کر چھوٹا سا بستہ گلے میں لٹکا کر اسکول جانا چاہیے۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں احساسِ محرومی کے بجائے شوخی، بے فکری اور تجسس ہونا چاہیے۔ پھر اس کی نظر بے اختیار صاف ستھرے لباس میں ملبوس لمبی کاروں میں بیٹھے مسکراتے چہچہاتے بچّے گھوم گئے۔ اپنے تخیّل کی دنیا سے واپس آکر نغمہ نے اسے بہت پیار سے مخاطب کیا، "سنو، اِدھر آؤ بھیّا!"

یہ سُن کر وہ لڑکا چونکا، پھر حیران حیران نظروں سے نغمہ کی جانب دیکھنے لگا۔ نغمہ نے ایک طرف ہٹ کر سیٹ پر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ اور اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

آؤ شاباش مُنّے، یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔

جانے کیوں بچّے کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے، جسے وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر پینے کی کوشش کرنے لگا پھر آہستہ سے اُٹھ کر نغمہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اسے یوں اپنے پاس سیٹ پر بٹھانے کے جرم میں تمام ہم سفر خواتین ناک بھوں چڑھا کر حقارت و نفرت سے نغمہ کو دیکھنے لگیں، پھر سَر جھٹک کر اپنی باتوں میں گم ہو گئیں۔

نغمہ کی فطرت بچّے کے حالات جاننے کے لیے بے چین تھی۔ وہ اس سے بے تکلف ہو گئی۔ اسے باسکٹ سے پھل نکال کر دیے۔ بہت اصرار کے بعد اس نے بہ مشکل ایک کیلا لیا اور ابھی اسے چھیل ہی رہا تھا کہ گاڑی ایک جھٹکے سے کسی اسٹیشن پر رُک گئی۔ نغمہ اور بچّہ غیر ارادی طور پر کھڑکی سے اسٹیشن کی رونق کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نغمہ ابھی اس جنکشن کا سائن بورڈ پڑھنے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ اس کی ہم سفر خواتین میں سے ایک محترمہ نے اس بچّے کو مخاطب کیا، لڑکے، ذرا یہ کولر کسی نل سے بھر لاؤ، شاباش۔ نغمہ حیرت سے ان محترمہ کے اس بدلتے ہوئے تیور کو دیکھنے لگی کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو اس بچے کو حقارت اور نفرت سے گھور رہی تھی اور اب؟ نغمہ کے کچھ کہنے سے پیش تر ہی وہ ان کا کولر لے کر باہر جا چکا تھا۔ چند لمحوں کے بعد بہت سے بچّے چائے، بوتلیں، پھل، مٹھائیاں اور پکوڑے وغیرہ بیچنے کے لیے ڈبے میں داخل ہو گئے اور وہ سوچنے لگی کہ صرف ایک بچّہ ہی نہیں ایسے بہت سے بچّے اس طرح گاڑیوں، ہوٹلوں، کینٹینوں اور گھروں میں کام کرتے ہیں اور روزی کماتے ہیں اور یہ معصوم بچّے علم حاصل کرنے کے بجائے نازک نازک ہاتھوں سے اینٹیں اٹھاتے، برتن صاف کرتے، کنگھیاں بیچتے ہیں۔ جن کے لباس ہی نہیں، چہرے کی معصومیت بھی کالے دھبّوں، گرد وغبار

اور غمِ روزگار کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔

نغمہ کے ذہن کے افق پر بے اختیار یہ سوال ابھرنے لگے۔ یہ پھول سے بچّے، معصوم فرشتے، ننھّے محنت کش، کیا ان کے ہاتھ صرف محنت و مشقّت کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں، کیا انھیں رنگ برنگے کپڑوں اور خوب صورت کھلونوں کا شوق نہیں، کیا انھیں شفقت بھرے پُرسکون ماحول کی آرزو نہ ہوگی۔ وہ اپنی سوچوں کے سمندر میں غرق تھی کہ گاڑی نے سیٹی دی۔ اس نے متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھا مگر وہ بچّہ کہیں نظر نہ آیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد گاڑی رینگنے لگی۔ اب جو گھبرا کر نغمہ نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو لوگوں کے ہجوم میں اچانک وہ لڑکا نظر آگیا جو پانی کا کولر لیے ڈبّے کی طرف تیزی سے بھاگ رہا تھا، مگر اس کے قریب آتے آتے گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی۔ بچّے نے چڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا پاؤں پھسل گیا اور نغمہ بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ پڑی۔

چند ہی لمحوں بعد زنجیر کھینچنے پر گاڑی رُکی۔ نغمہ نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو ..... کچھ لوگ اس معصوم فرشتے کو، اس معصوم غنچے کو جو ابھی کھل بھی نہ پایا تھا کہ اپنے ہی لہو میں سرخ ہوگیا تھا، اُٹھائے ہوئے تھے۔

کراچی کی بسیں

نگہت یاسمین، کراچی

کراچی کی بسوں کا کیا ذکر کریں اس کا حال تو انھیں لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، جو اس پر سواری کرتے ہیں۔ خاص طور پر طالب علموں کو، جو اسکول وقت پر پہنچنے کے لیے جلدی گھر سے نکل جاتے ہیں اور اسٹاپ پر خاصے دیر کھڑے ہونے کے باوجود بس نہ آنے کی وجہ سے مایوس ہو جاتے ہیں اور جب بس آتی ہے تو کیا کہنے ہیں۔ لوگوں سے کھچا کھچ ایسی بھری ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے پنجروں کے اندر جانور ایک دوسرے کو خون خوار نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ خیر جب کبھی خوش قسمتی سے ایک دوسرے کو دھکا دینے کے بعد بس میں گھس جاتے ہیں تو اصل مزہ اس وقت آتا ہے۔ سارے کے سارے استری کیے ہوئے کپڑوں کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ بڑی نفاست سے سنوارے ہوئے بال بکھر جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ڈرائیور صاحب اتنی تیزی سے گاڑی چلاتے ہیں کہ ہم جس جگہ کھڑے ہوتے ہیں اس سے چار قدم آگے لڑھکتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں۔ پھر کوئی ہمیں سہارا دے رہا ہوتا ہے اور اتنے صاف ستھرے کپڑوں پر کالے پیلے داغ دھبے دیکھ کر خون کھول جاتا ہے۔ ابھی اپنے آپ کو سنبھالنے بھی نہ پاتے ہیں کہ کنڈکٹر صاحب آجاتے ہیں اور چیخنا چلانا شروع کرتے ہیں

کہ اللہ کی پناہ۔ جان چھڑانے کے لیے جلدی سے پیسے نکال کر دیتے ہیں۔ ڈرائیور کو جب زیادہ جوش آتا ہے تو کسی کی پروا کیے بغیر بس روڈ پر اس طرح دوڑاتے ہیں کہ جیسے اسکائی لیب ہو۔ جب دماغ زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو بس ایک ایک اسٹاپ پر اتنی اتنی دیر کھڑی رکھتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اس وقت خیال آتا ہے کہ کاش ہمارے بھی پر ہوتے۔

خیر جب ان تمام مصیبتوں کا سامنا کرنے کے بعد ہماری منزل آتی ہے تو ہم خدا کا شکر ادا کر کے بس سے اترنے لگتے ہیں تو ڈرائیور صاحب بس روکنے کا نام نہیں لیتے۔ انھیں تو صرف بس چلانے کی فکر رہتی ہے۔ ڈرائیور صاحب یہ نہیں دیکھتے کہ کون اُتر رہا ہے اور کون چڑھ رہا ہے۔ اسی اثنا میں کنڈکٹر صاحب دوبارہ آجاتے ہیں۔ لاکھ کہو کہ ارے بابا، ہم نے پیسے دے دیے ہیں، لیکن ان کی عقل میں بات نہیں آتی۔ اس پنجرے سے بہ فضلِ تعالیٰ خیریت سے اترنے کے بعد ایک بار پھر خدا کا شکر ادا کرنے کو جی چاہتا ہے اس لیے کہ بس میں چڑھنے سے لے کر اُترنے تک ہم اپنا دل ہتھیلی پر لیے ہوتے ہوتے ہیں۔

یہ ہے کراچی کی بسوں کا مختصر سا جائزہ۔

چڑیا گھر کی سیر

ظہور احمد، کراچی

چڑیا گھر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ملکی اور غیر ملکی جانور یعنی پرندے، درندے اور چرندے موجود ہوتے ہیں۔ خطرناک جانوروں کو لوہے کے پنجروں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شیر، شیر ببر، چیتے، بھیڑیے، گینڈے اور لکڑ بھگے وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ جانور جو خطرناک نہیں ہوتے انھیں چار دیواری میں کھلا رکھا جاتا ہے۔ وہ پرندے جو اُڑ نہیں سکتے یا تھوڑے فاصلے تک پرواز کرتے ہیں انھیں کھلا رکھا جاتا ہے، لیکن وہ پرندے جن کے اُڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے انھیں جالی دار پنجروں میں رکھا جاتا ہے۔

چڑیا گھر کا مقصد یہ ہے کہ وہاں جا کر بچے اور بڑے ملکی اور غیر ملکی جانوروں کو دیکھیں اور اس طرح اپنی معلومات میں اضافہ کریں اور ان کے ناموں کے آتے ہی ان کا نقشہ ذہن میں آجائے۔ وہ خطرناک جانور جنھیں ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے، چڑیا گھر میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ چڑیا گھر کی سیر کا زیادہ تر شوق بچوں میں ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی درسی کتابوں میں مختلف قسم کے جانوروں کی تصویریں دیکھتے ہیں اور ان کے متعلق کہانیاں پڑھتے ہیں تو ان کے دل میں انھیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ ان جانوروں کو قریب جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ زیادہ تر چھوٹے چھوٹے بچے چڑیا گھر میں بندروں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ کراچی میں چڑیا گھر شہر کے وسط میں واقع ہے۔ اس لیے جب کوئی نیا جانور

آتا ہے تو شہر کے تمام لوگ اسے دیکھنے کے لیے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حال ہی میں جب بن مانس نیا نیا چڑیا گھر میں آیا تو چھوٹے بڑے، مرد عورت، بچّے بوڑھے سب کے دل میں بن مانس دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور اس وقت تک چڑیا گھر آتے رہے جب تک اسے دیکھ نہ لیا۔ کراچی کا چڑیا گھر نشتر روڈ پر واقع ہے جو شہر کے ہر علاقے سے قریب ہے۔ چڑیا گھر میں جانوروں کو جنگل جیسا ماحول فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں شیر کے چار بچّوں کے لیے ڈیڑھ ایکڑ جگہ لی گئی ہے، تاکہ وہ اس میں جنگل جیسا ماحول پیدا کر سکیں۔

ہم نے مچھلی پکڑی

کامران حسن، راول پنڈی

یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میری عمر آٹھ سال تھی۔ میں کمرے میں بیٹھا نونہال کے مطالعے میں مصروف تھا کہ یکایک خیال آیا کہ کیوں نہ آج مچھلی کا شکار کیا جائے۔ یہ سوچتے ہی میں نے کانٹا اور جال لیا۔ اپنے کتّے ٹیفی کو بُلایا اور چل پڑا شکار کھیلنے۔ میں فضاؤں سے لُطف اندوز ہوتا اس جھیل کے کنارے پہنچا جو ہمارے گھر کے قریب ہی تھی۔ میں نے کانٹا پانی میں ڈالا اور دوسرے سِرے سے پکڑ کر بیٹھ گیا۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی چیز پھنسی ہے تو میں نے جال کھینچا۔ ٹیفی نے بھی میری مدد کی اور جب میری نظر اُس چیز پر پڑی تو یہ دیکھ کر مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ وہ ایک پرانا بوٹ تھا۔ میں نے پوری قوت سے اُسے پھینکا، لیکن بدقسمتی سے وہ بوٹ ایک گائے کے سینگ پر جا لگا۔ اُس نے خوں خوار نظروں سے ہمیں دیکھا اور ہم سَر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ گائے بھی ہمارے پیچھے بھاگی۔ اسی کش مکش میں وہ بوٹ گر گیا۔ گائے رُکی اور جب اُس کی تکلیف ختم ہو گئی تو وہ جھاڑیوں میں گُم ہو گئی۔ اب ہم ایک بار پھر جھیل پر پہنچ گئے اور میں کانٹا لگا کر بیٹھ گیا۔ اب کی بار ہم نے جال کھینچا تو اس میں ایک مچھلی پھنسی تھی۔ ہم نے خوشی سے کانٹے کو کندھے پر رکھا، لیکن ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک بطخ ہمارے پیچھے کھڑی ہے اور جب ہم مُڑے تو مچھلی بطخ کے منھ میں تھی۔ میں بہت سٹپٹایا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ چناں چہ تھکے ہارے قدموں سے گھر چلا، لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اپنے شکار سے خوش ہوں یا ناخوش۔

پیارا دوست

محمد آصف زکریا، کراچی

دوست خدا کا دیا ہوا تحفہ ہوتے ہیں۔ اچھا

دوست کسی زیور سے کم نہیں ہوتا۔ ہمارا بھی ایک دوست ہے۔ بڑا ہی اچھا، پیارا اور مخلص ہے۔ ہر مہینے ملنے آتا ہے تو بڑی خوب صورتی سے آراستہ ہو کر آتا ہے۔

میرے ابو کہتے ہیں کہ اس کی صحبت میں رہو۔ وہ جب ہم سے ملنے آتا ہے تو پہلے آکر نصیحت کرتا ہے۔ پھر کام کی باتیں بتاتا ہے۔ بعد میں کوئی پیاری سی نظم سُناتا ہے۔ کہانیاں بھی سُناتا ہے۔ اور حیرت انگیز واقعات بھی سُناتا ہے کہ ہم تو اپنی انگلیاں دانتوں تلے دبا لیتے ہیں۔ اور دوستو! ہمارا یہ دوست معلوماتِ عامہ میں بھی اوّل نمبر ہے۔ ہم سے سوال پوچھتا ہے اور پھر جواب بتاتا ہے۔ اوہو، ہم اپنے اس پیارے دوست کا نام بتانا تو بھول ہی گئے۔ اس کا نام ہے "ہمدرد نونہال"۔ کہیے بچّو، کیسا ہے ہمارا دوست۔

بچّے

مرسلہ: شگفتہ پروین، کراچی

جو بچّے ہیں سچّے
وہ بچّے ہیں اچھے
کام کے ہیں پکّے
اللہ ان کو رکھے

فکرِ اقبال

ریاض الدین نوری، کراچی

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد جنوبی ایشیا ہندو پاکستان کے لوگ خصوصاً مسلمان طوفان بلا کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی نہ صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے ایک آزمائش کا دور رہا ہے۔

عالمِ اسلام نے جہاں ان صدیوں میں پریشانیوں کا سامنا کیا وہاں ایسی ہستیاں بھی پیدا کیں جن کی کوششوں سے اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد پڑی۔ شاہ ولی اللہؒ، شاہ احمد رضاؒ، سرسید احمد خاں، جمال الدین افغانیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ وغیرہ کے نام صفحۂ ہستی پر ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد جب ان کوششوں سے خوابِ غفلت میں پڑی ہوئی قوم بیدار ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس سفینہ کو کنارے لگانے کے لیے حکیم الامت علامہ اقبال کو پیدا کیا۔ عالمِ اسلام کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کے لیے حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی بیماریوں کے لیے ایک نسخۂ کیمیا پیش کیا جس کے اجزا میں مایوسی و نامرادی کے بجائے ہمت افزائی و خودداری ہے۔ اس نسخۂ عمل کو وہ مسلمانوں کے رگ و پے میں پہنچانا چاہتے تھے۔ ان کا پیغام عمل ہے۔ وہ ناامید ہو کر بیٹھ جانے والوں کو پھر اُمید دلا کر میدانِ عمل میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑی قوم کو پیغامِ یقین و عمل دیا۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

اپنے وطن کے لوگوں کو یورپ کی کورانہ تقلید سے بچا کر مادہ پرستی کے بجائے خدا پرستی کی طرف لے جانا

چاہتے ہیں:

اسلام تیرا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

علامہ اقبال کی شاعری کی بنیاد اسلام اور اس کی تعلیمات پر ہے۔ اسلام بنیادی طور پر کسی خاص طبقے، نسل یا رنگ کے لوگوں کے لیے نہیں آیا بلکہ ان اصولوں کو جو قوم بھی اپنائے گی وہ مسلمان کہلائے گی۔ اسی لیے اقبال کا پیغام تمام اولادِ آدم کے لیے ہے۔ انھوں نے خودی کا پیغام تمام انسانوں کو دیا ہے۔ خودی سے مراد ان کی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر اسے ترقی دے۔ اقبال نے قوم کو نصیحت کی کہ وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ اپنی علمی قوتوں کو بیدار رکھیں۔ اور دوسروں کے دستِ بازو پر بھروسا کرنے کے بجائے شاہین کی طرح زندگی گزاریں:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کی گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

علامہ اقبال کا تخاطب اس قوم سے ہے جس نے اپنے ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نظامِ حیات کو کھو دیا۔ حیاتِ مصطفوی کی صورت میں مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے باوجود وہ اسے عملی طور پر نہیں اپناتی۔ صحابۂ کرامؓ یعنی اپنے اسلاف کے شان دار کارناموں کو محض قصّہ کہانی سمجھتی ہے۔ اسی لیے وہ خصوصاً نوجوانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تُو اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

علامہ اقبال ہمیشہ بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار رہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ قوم کے شاہینوں کو معرکۂ زیست میں کامیابی دے اور انھیں ایمان کی دولت اور نورِ بصیرت سے مالا مال کر:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

اقبال کا ایک شعر

اسد علی فیضی، کراچی

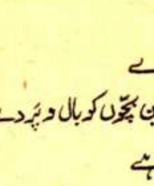

ڈاکٹر محمد اقبال کا ایک سبق آموز شعر ہے، جس سے پوری قوم کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ میرا پسندیدہ شعر ہے۔ یوں تو اقبال کا ہر شعر دل میں عجیب کیفیت اور عجیب ولولہ پیدا کر دیتا ہے، لیکن یہ شعر بزدل کو دلیر، ذلیل کو جلیل، جاہل کو عاقل، بیمار کو صحت مند اور بُرے کو اچھا بننے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ شعر آپ نے بھی ضرور پڑھا ہوگا۔ اب پھر پڑھیے:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ڈاکٹر محمد اقبال کا یہ شعر انسان کو عظیم بننے کا درس دیتا ہے۔ خدا نے انسان کو کچھ خاص عقائد سے نوازا ہے۔ انسان کو آزاد بنایا ہے۔ وہ حق کی طرف قدرتی طور پر جھکتا ہے۔ انسان رزق کی خاطر خوشامد کا سہارا لیتا ہے۔ شاید خوشامد سے انسان کو کچھ وقتی فائدہ پہنچتا ہو، لیکن آہستہ آہستہ اس کا ضمیر مر جاتا ہے اور غلام بن کر دوسرے کے سہارے زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ انسان وہ ہے جو حق پر قائم رہے۔ اپنا کردار رکھتا ہو۔ خراب سے خراب وقت پر بھی اپنے ضمیر کا سودا نہ کرے۔ اپنے کردار میں کوئی کمزوری نہ آنے دیں۔ خوشامد اور غلامی کی روٹی سے انسان مقامِ انسانیت کی بلندی سے گر جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے شعر میں یہی بات بڑی خوب صورتی سے کہی ہے۔

علامہ اقبال

جمیل احمد خاں، کراچی

۹ نومبر ۱۸۷۷ء کی صبح پنجاب کے ایک چھوٹے سے شہر سیالکوٹ میں ایک اوسط درجے کے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ گھر کا ماحول خالص دینی تھا۔ اسی لیے بچپن ہی سے آپ کے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی۔

بڑے ہو کر علامہ اقبال نے جب مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھی تو انھیں بہت افسوس ہوا۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کے زوال کا سبب صرف یہی ہے کہ مسلمان مختلف علاقوں، قبیلوں اور مختلف عقیدوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ حال آنکہ مسلمان کا اللہ ایک، رسولؐ ایک، دین ایک، قرآن ایک ہے، جب تک مسلمان ایک قومیت کے تحت متحد نہیں ہو جاتے وہ غلبہ نہیں پا سکتے۔

شاعرِ مشرق

سید اسامہ اختر، کراچی

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا نام کون نہیں جانتا۔

دورِ حاضر کی یہ عظیم مسلمان شخصیت اور اسلامی فکر و فلسفہ کے ترجمان تھے۔ علامہ اقبال لاہور میں اپنی تعلیم مکمل کر کے اعلا تعلیم کے لیے یورپ چلے گئے۔

برصغیر کے حالات اور یورپ میں قیام نے علامہ کو ایک پختہ محبِ وطن اور مغرب سے بیزار کر دیا تھا۔ واپس آ کر آپ نے فکری اصلاح اور عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ شروع کی غزلیات اور نظمیں بانگِ درا کے نام سے شائع ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی نے پڑھنے والوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پھر پیغامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، بالِ جبریل،

ضربِ کلیم، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز نے فکر و فلسفہ اور شعر و ادب کو نئے افق پر پہنچا دیا۔ اسی عرصے میں اقبالؒ نے اسلامی فلسفے پر چھے لکچر دیے جو اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیرِ نو کے عنوان سے مشہور ہوتے۔

علامہ کے کلام نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں بیداری اور خود شناسی کی روح پھونک دی بلکہ اردو اور فارسی کو نیا اسلوب اور نیا آہنگ عطا کیا۔ آپ نے عروس ادب کو بزم سے اُٹھا کر صاحبِ رزم بنا دیا۔ اردو شاعری کو جو اب تک غزل، قصیدے اور مرثیے کے محور پر گھوم رہی تھی اس کو نظم کا وہ وسیع میدان فراہم کیا جو نظیر اکبر آبادی، حالی اور اکبر نہ کر سکے۔ جوشِ بیاں اور فکر کی گیرائی اور گہرائی میں اب تک آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔

وادیِ پشاور

نسرین محمود، کراچی

پشاور کی وادی پاکستان کی خوب صورت وادیوں میں سے ایک ہے۔ پشاور صوبۂ سرحد کا صدر مقام ہے۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے۔ اس کا نام مختلف زمانوں میں بدلتا رہا ہے۔ مغلوں کے زمانے میں اسے بگرام کہا جاتا تھا۔ آج سے دو ہزار سال پہلے جب کہ پشاور اور اس کے گرد نواح میں بدھ مت عروج پر تھا تو یہ سارا علاقہ گندھارا وادی کے نام سے مشہور تھا۔ پشاور کا موجودہ نام سنسکرت زبان کے لفظ پشاور سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "پھولوں کا شہر"۔ پھولوں کا ذکر عظیم شہنشاہ بابر کی تزکِ بابری میں بھی ملتا ہے۔

پشاور چوں کہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ یہاں پر اب بھی کئی تاریخی عمارتیں موجود ہیں۔ یہاں کی در و دیوار پر پرانے زمانے کے نقش و نگار اس کی عظمت کا پتا دیتے ہیں۔ موجودہ تاریخی عمارات میں قلعہ بالا حصار، مسجد مہابت خان، چوک یادگار، قصہ خوانی بازار قابلِ دید ہیں۔

سکھوں نے اپنے دورِ حکومت میں باہر کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے ایک چار دیواری پشاور شہر کے ارد گرد بنوائی تھی۔ انگریزی دور میں اس چار دیواری کو پکا کر دیا گیا تھا اور آنے جانے کے لیے اس میں مختلف جگہوں پر سولہ بڑے بڑے دروازے لگائے گئے تھے۔ ان میں سے چند دروازے اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً کوہاٹی گیٹ، سرکی گیٹ، آسیہ گیٹ، لاہوری گیٹ وغیرہ۔

تحصیل گور گھٹڑی بھی پشاور کی قدیم یادگاروں میں سے ایک ہے۔ یہاں پر شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آرا کے حکم پر ایک سرائے اور اس کے ساتھ ایک مسجد اور حمام خانہ بنایا گیا تھا جو آج بھی موجود ہیں۔ سکھوں کے دَور کا گور دوارہ اور تالاب بھی موجود ہے۔

شاہ جی کی ڈھیری پاکستان کی مشہور جگہوں میں سے ایک ہے۔ یہاں سے گوتم بدھ کی مقدس راکھ برآمد ہوئی تھی۔

پشاور سے تقریباً چھے میل کے فاصلے پر اسلامیہ کالج، انجینئرنگ کالج، ایگریکلچرل یونی ورسٹی ہے۔

پشاور میں ایک عجائب گھر بھی ہے۔ اس میں بدھ مت کے زمانے کی تہذیب اور پتھر کے زمانے کی مختلف چیزیں موجود ہیں۔ پشاور کی آب و ہوا شدید ہے یعنی گرمیوں میں شدید گرمی اور سردیوں میں شدید سردی۔ یہ آب و ہوا پھلوں کی افزائش کے لیے بہت عمدہ ہے۔ یہی وجہ ہے پشاور میں پھل بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کینو، سردا، گرما، ناشپاتی، لوکاٹ، خوبانی، انگور، آلو بخارا بہ کثرت پیدا ہوتے ہیں۔ پشاور سوکھے میوے کی منڈی ہے۔ بادام، اخروٹ، مونگ پھلی، سوکھا شہتوت اور دوسرا میوہ باہر ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔

یہاں کے لوگ بڑے محنتی اور جفاکش ہیں۔ زیادہ تر لوگ زراعت اور تجارت پیشہ ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے پاکستان کو بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور بے شمار قربانیاں وطنِ عزیز کی خاطر دی ہیں۔

ہم نے کرکٹ کھیلی

محمد سرفراز، کراچی

کرکٹ کھیلنے کا شوق تو ہمیں جنون کی حد تک تھا۔

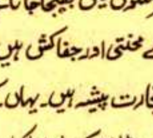

جب بھی کوئی ہماری گلی میں کرکٹ کھیلتا ہم بھی شامل ہو جاتے، لیکن صاحب ایک اور مسئلہ کہ ہمارے ساتھی کہتے کہ کرکٹ کھیلنا ہے تو اپنے لیے سفید پینٹ اور شرٹ لاؤ۔ جب ہم نے پینٹ شرٹ کے بارے میں قیمت دریافت کی تو کہا ۵۰ رُپے۔ ہم نے اس شوق میں پیسے جمع کرنے شروع کر دیے اور جب ۵۰ رُپے جمع ہو گئے تو پرانے کپڑوں کے بازار گئے، لیکن کوئی بھی ہمارے مطلب کی پینٹ شرٹ نہ نکلی۔ گھر واپسی پر اپنے دوستوں سے مدد مانگی، لیکن وہ سب تو کھیل میں مگن تھے۔ ہم نے سوچا کوئی بات نہیں جب تک ہم بھی کھیلتے ہیں۔ کھیل کے بعد چلیں گے اور پھر جب فیلڈنگ کی تو دوپہر کی وجہ سے سر میں درد ہو گیا اور ایسی تکلیف میں ہم نے اپنے شوق کو اور بڑھایا اور جب ہماری بیٹنگ کی باری آئی تو ہم نے پہلی ہی بال میں ایسا چھکا مارا کہ سامنے والی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔ ہمارے سب ساتھی تو بھاگ گئے اور ہم نے ۵۰ رن بنا لیے، لیکن ہم تو تھے بے وقوف۔ پھر ایک صاحب بڑی تیزی سے ہماری طرف آئے اور کہنے لگے، کم بخت، تُو نے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا، میرا نقصان کر دیا۔ اور پھر ایک تھپڑ بھی رسید کر دیا۔ آخر شکایت ہمارے ابّو تک پہنچ گئی تو ابّو نے بھی خوب پٹائی کی۔ بس صاحب، جب سے ہم نے توبہ کر لی کہ ہم کرکٹ نہیں ہاکی کھیلا کریں گے۔

بچّوں کا اغوا

خرم مغل، کراچی

آپ کو یہ تو معلوم ہو گا کہ پاکستان میں کتنے

معصوم بچے اغوا ہوتے ہیں۔ ان بچوں کو یا تو مزدور بنا دیا جاتا ہے یا فقیر۔ بچوں کو عموماً معذور بنا دیا جاتا ہے۔ آپ جب بھی سڑک پر نکلیں آپ کو چار پانچ بچے ضرور نظر آئیں گے۔ ذرا سوچیے اُن ماں باپ پر کیا گزرتی ہو گی؟ اگر اُن کا بچہ مَر چکا تو چلو وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں کہ اب رونے سے کیا فائدہ، جو خدا کی مرضی، لیکن اگر اُن کا بچہ گُم ہو گیا ہے تو وہ یہ سوچتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارا بچہ زندہ ہے یا مَر چکا۔ جن لوگوں نے اسے اُٹھایا ہے وہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُسے فقیر تو نہیں بنا دیں گے؟ کہیں ہمارا بچہ مزدور بن کر مزدوری تو نہیں کر رہا ہے؟ اُن کے دِل پر کیا بیتتی ہو گی۔ پولیس اس مسئلے کے حل میں کام یاب نہیں ہو سکی۔

جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو مجھے اگر کوئی بچہ نظر آتا ہے جو کسی کار کا شیشہ صاف کر رہا ہو اور کار کا مالک اُسے جھڑک رہا ہو تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کاش میں ان بچوں کے لیے کچھ کر سکتا جو نہ چاہتے ہوئے بھی بھیک مانگنے اور مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ کیا ان بچوں کا دِل پڑھنے لکھنے اور بڑا آدمی بننے کو نہیں چاہتا۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں یہ باتیں صرف سُنانے کے کام آتی ہیں۔

اخبار میں کتنے لوگوں نے یہ داستانیں سُنی ہوں گی، لیکن اب یہ باتیں سب کے لیے پرانی ہو چکی ہیں۔

ہمارا اقبال

وسیم یٰسین، کراچی

۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کی تاریخ اردو ادب کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ اس دن اردو کے ایک بہت بڑے شاعر پیدا ہوئے۔ ان کا نام تھا شیخ محمد اقبال۔ یہ نہ صرف بہت بڑے شاعر تھے بلکہ بہت بڑے فلسفی بھی تھے۔ عالم بھی تھے، اس لیے سب لوگ انھیں علامہ اقبال کہتے تھے۔

علامہ اقبال کے آباؤ اجداد کشمیری پنڈت تھے۔ جو ڈھائی تین سو سال پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر یہ لوگ کشمیر چھوڑ کر سیال کوٹ چلے آئے اور پھر یہیں آکر آباد ہو گئے۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد کا کاروبار میں جی نہ لگتا تھا۔ جو کچھ تھوڑا بہت اس کام میں مل جاتا اسی میں صبر و شکر کے ساتھ گزر بسر کرتے تھے۔ یہ بڑے نیک اور اللہ والے انسان تھے۔ انھیں دنیا کے کاموں سے جب فرصت ملتی تو وہ اس وقت کو بزرگوں اور نیک لوگوں کی خدمت میں بیٹھ کر گزار دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

علامہ اقبال نے ابتدائی تعلیم مشن اسکول میں حاصل کی اور اس کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا۔ مشن اسکول میں عربی کے استاد مولوی میر حسن شاہ تھے۔

جنھوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اقبال کوئی عام طالبِ علم نہیں ہیں لہٰذا انھوں نے اقبال کو اور زیادہ محنت سے پڑھایا۔ اقبال کی زندگی پر جن استادوں کا غیر معمولی اثر پڑا اُن میں مولوی میر حسن قابلِ ذکر ہیں۔

ابھی اقبال اسکول میں ہی پڑھتے تھے کہ آپ نے شعر کہنے شروع کر دیے۔ اس زمانے میں وہ اردو اور فارسی کے شعرا کا کلام بھی پڑھ رہے تھے۔ مولوی میر حسن نے انھیں خاص طور پر فارسی کے بڑے شاعروں کا کلام پڑھایا۔ انھوں نے مولوی صاحب سے گلستان، بوستان، سکندر نامہ اور انوار سہیلی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

اقبال کی شاعری کا چرچا دُور دُور تک پھیلنے لگا تھا، لیکن انھوں نے اپنی تعلیم میں ڈھیل نہیں ڈالی۔ انھوں نے انٹرنس کے امتحان میں اعزاز حاصل کیا اور انھیں وظیفہ ملا۔ وہ کالج کے بہترین طالبِ علم تھے اور انھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان بھی اعزاز سے حاصل کیا اور اب انھیں سیال کوٹ چھوڑنا پڑا اور وہ بی۔اے کرنے کے لیے لاہور چلے گئے۔ انھوں نے لاہور میں گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔

لاہور میں اقبال نے بی۔اے اور ایم اے کے امتحانات بڑے اعزاز کے ساتھ پاس کیے اور ان کا اورینٹل کالج میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ طالبِ علمی ہی کے زمانے میں وہ خاصے مشہور ہو گئے تھے۔ ۱۸۹۹ء کی بات ہے کہ انھوں نے انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں اپنی نظم "نالۂ یتیم" پڑھ کر سنائی۔ اُسے سُن کر لوگوں کا دل بے چین ہو گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جس کو دیکھیے وہ رو رہا تھا۔ اسی زمانے میں انھوں نے اپنی مشہور نظمیں "ہمالہ" اور "ہندوستاں ہمارا" لکھیں۔

ان کی زبان میں چاشنی تھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے مناظرِ فطرت پر بہت خوب صورت نظمیں لکھیں۔

علامہ اقبال آخری زمانے میں فارسی میں شعر کہنے لگے۔ علامہ اقبال کی زندگی کے آخری سال بیماری میں گزرے۔ یہاں تک کہ ۲۱۔اپریل ۱۹۳۸ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جنازے میں تقریباً پچاس ہزار آدمی شریک ہوئے۔ ملک کے شہروں اور قصبوں میں جگہ جگہ مہینوں ان کی موت کے سوگ میں جلسے ہوتے۔

حیاتِ اقبال — کچھ معلومات

عبد الرشید تبسم، حاصل پور

۱۔ علامہ اقبال ۹۔نومبر ۱۸۷۷ء کو (اقبال بازار) بازار چوڑی گراں سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔

۲۔ علامہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔

۳۔ علامہ اقبال کا نام "محمد اقبال" ان کی والدہ امام بی بی نے رکھا تھا۔

۴۔ علامہ اقبال نے مسجد حسام الدین محلہ کشمیریاں سیال کوٹ سے درسِ قرآن پاک سے تحصیلِ علم کا سلسلہ

شروع کیا۔

۵ ۔ علامہ اقبال کے سب سے پہلے استاد کا نام مولانا غلام حسن تھا۔

۶ ۔ علامہ اقبال نے ۱۸۸۸ء میں پرائمری اور ۱۸۹۱ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۵ء میں ایف اے اور بی۔ اے کا امتحان ۱۸۹۷ء میں دیا۔

۷ ۔ ۱۸۹۹ء میں علامہ اقبال نے فلسفہ میں ایم۔ اے کا امتحان تھرڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

۸ ۔ ۱۳۔ مئی ۱۸۹۹ء کو اورینٹل کالج میں عربک ریڈر مقرر ہوئے۔

۹ ۔ جون ۱۹۰۳ء کو گورنمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔

۱۰ ۔ "ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا" پر پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۱ ۔ ۱۹۰۸ء میں وکالت کا آغاز کیا اور ۱۹۰۸ء ہی میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

۱۲ ۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۳۴ء کو انجمن حمایت اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۳ ۔ ۳۰۔ مئی ۱۹۳۶ء کو پنجاب مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۴ ۔ حکومتِ برطانیہ نے یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو آپ کو سر کا خطاب دیا۔

۱۵ ۔ ۱۹۲۶ء میں عملی طور پر سیاست میں داخل ہوئے۔

۱۶ ۔ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔

۱۷ ۔ علامہ اقبال نے ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو صبح سوا پانچ بجے بہ روز جمعرات وفات پائی۔

کوئل کا گیت

انور کلیم، کراچی

"کیسے ہو بھائی کوّے؟" کوئل نے اپنی سُریلی آواز میں کوے سے حال دریافت کیا۔ "بس ٹھیک ہوں بہن کوئل! تم اپنا حال سناؤ"، کوے نے اپنی چونچ کو درخت کے تنے سے رگڑتے ہوئے پوچھا۔ کوئل نے کہا، "کیا حال بتاؤں کوے بھائی، طبیعت کچھ اداس سی ہے۔ سوچتی ہوں کب گرمیاں آئیں اور میں باغوں اور جنگلوں میں کُوکُو کی فریاد کروں۔"

"ارے بہن کوئل، جب تم گاتی ہو تو جنگل کے سارے جانور اور پرندے تمھاری تعریفیں کرتے ہیں، لیکن ایک میں ہوں کہ سارا سارا دن کائیں کائیں کرتا رہتا ہوں ہر کوئی کہتا ہے کہ لو آگئے کوے میاں اپنی بے ہنگم سی رٹ لگانے۔" کوے نے کہا۔ کوئل نے جب کوے کی بات سنی تو کہا، "اگر میں اتنا اچھا گاتی ہوں تو تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔ اس جنگل سے نکل کر جب تم انسانوں کی بستی جاتے ہو اور کسی گھر کی منڈیر پر بیٹھ کر کائیں کائیں کرتے ہو تو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُن کا کوئی مہمان یا چٹھی آنے والی ہے۔ تم اچھا گا نہیں سکتے تو کوئی بات نہیں۔ انسان کے لیے پیغام تو بنتے ہو نا۔"

"ہاں بی کوئل، یہ تو تم نے بڑی اچھی بات کہی"
کوّے نے کہا۔

ابھی وہ دونوں باتیں کرنے میں مصروف تھے کہ انھیں ایک چرواہا نظر آیا۔ اس نے اپنی بھیڑ بکریوں کو چرنے دیا اور خود ایک سایہ دار درخت کے نیچے آکر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گول سی لکڑی تھی اس لکڑی کو چرواہے نے اپنے منھ سے لگایا تو ایک خوش گوار اور پیارا سا راگ نکلنے لگا۔ کوئل نے کوّے سے کہا، "دیکھو بھائی کوّے، اس آدم زاد نے ایک لکڑی کا سرا منھ میں دبایا اور حیرت کی بات ہے کہ اُس میں سے ایک میٹھا سا سُر نکل رہا ہے۔" کوّے نے کوئل کی تائید میں اپنی چونچ کو درخت کے تنے سے دوبارہ رگڑا۔

جنگل کے قریب ہی سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ وہ بھی رُک کر چرواہے کی بانسری کی آواز سننے لگے۔ کوئل یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ آخر وہ بھی ایک موسیقار تھی۔ جب چرواہے کی بانسری کی آواز بڑھی تو اُسے ناگوار گزری اور اُس نے بھی کوکو کرنی شروع کر دی۔ کوے نے دیکھا کہ جو آدم زاد مسافر چرواہے کی بانسری سے محظوظ ہو رہے تھے اب وہ بی کوئل کی اُداس آواز سُن کر بے چین سے ہو گئے۔

کوئل کی درد بھری آواز نے اُن کے قدم روک دیے۔ آخر انھوں نے اُسی جنگل میں بسیرا کیا۔ وہ سارا دن کوئل کی آواز سنتے اور سہ پہر کو کئی کئی ہرن مار کر کھاتے۔ ان لوگوں کے بچّوں نے تیر کمانوں سے کئی چڑیوں کو ہلاک کیا۔ کئی توتے اور مینا ان کے نشانے کی زد میں آئے۔ اُن کا یہی دستور رہا کہ جو بڑے ہوتے تھے وہ ہرن، مرغابیاں اور جنگلی جانور مار کر کھاتے اور جو چھوٹے ہوتے وہ ننھے منے پرندوں کو مار کر اپنا کھیل کھیلتے اور خوش ہوتے۔ کوئل بڑی پریشان تھی۔ اسے ان انسانوں پر بڑا غصّہ آرہا تھا۔ آخر یہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں۔ بلاوجہ ہماری نسل کو ختم کر رہے ہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک شریر بچّے نے تیر چلایا جو کوئل کو لگنے کے بجائے ایک کوے کو لگ گیا۔ کوئل نے رونا شروع دیا اور اپنی جان بچانے کے لیے کسی گھنے پتوں والی شاخ میں جا بیٹھی۔ کوئل نے دیکھا کہ بے شمار کوؤں نے آدم زادوں پر حملہ شروع کر دیا ہے اور اُن کے سروں پر اپنی نوک دار چونچیں مارنی شروع کر دیں۔ ہر انسان کوؤں کے خوف سے ادھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ کئی لوگوں کے سروں سے تو خون نکلنا شروع ہو گیا۔ اتنا زبردست حملہ۔ کوئل نے دل میں سوچا، نہیں اب نہیں اور زیادہ حملے نہیں کرنا چاہییں۔ پھر اُس نے سوچا، لیکن کیوں نہ کریں، آخر اُن انسانوں نے بھی تو ہم سے ہمارے کئی ساتھی چھینے ہیں، لیکن نہیں، اگر وہ بے رحم ہیں تو اس کے بدلے ہمیں بے رحم نہیں بننا چاہیے۔ کوئل کے دل میں رحم آگیا، لیکن میں کوّوں کو کس طرح منع کروں۔ کوئل سوچتی رہی۔ آخر اس کے ننھے سے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے اپنی آواز میں ایک درد بھرا گیت گایا تو سارا جنگل اُداس ہو گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ کوّے جو

انسانوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے یہ آواز سنتے ہی سب کچھ بھول گئے اور دوبارہ درختوں کی شاخوں پر جا بیٹھے اور بی کوئل کا گیت سننے لگے۔ کوئل نے اپنی آواز سے انسانوں کو کوّوں کے بہت بڑے حملے سے بچایا تھا۔ اس کے بعد پھر نہ کسی آدم زاد نے کسی جانور اور پرندوں کو تنگ کیا اور نہ بلاوجہ ان کو جان سے مارا بلکہ اُن سے پیار کرنے لگے۔ پرندے اُن کے اس رویّے سے بہت خوش تھے۔ پرندے جو کبھی اُن سے ڈرتے تھے اب اُن کے گھروں کی منڈیروں پر بیٹھ کر چہچہانے لگے۔ ہر کوئی خوش تھا۔ یہ سب کچھ کوئل کی وجہ سے ہوا۔

گڑیا کی شادی

صائمہ وزیر، کراچی

ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہیں ہماری گڑیا کی شادی کو۔ ہماری گڑیا کی شادی میں کوئی شریک بھی نہیں ہوا۔ ویسے ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہماری گڑیا کی شادی کیسے ہوئی۔ گڑیا کی شادی کا پروگرام بالکل اچانک بن گیا اور رائے بھی ہم ہی نے آپی کو دی تھی کہ گڑیا کی شادی کرتے ہیں، پھر کیا تھا اندر سے گڑیا نکالی گئی۔ اب گڈے کا مسئلہ تھا کہ گڈا کہاں سے لایا جائے۔ ویسے گڈا تو تھا، لیکن اس کا سَر کہیں کھو گیا تھا، اس لیے دوسری گڑیا کو گڈا بنایا اور گڑیا کا حال بھی کچھ اس سے کم نہیں تھا۔ ان کی ایک ٹانگ غائب تھی۔ بہت ڈھونڈی نہیں ملی۔ ہم نے آپی سے کہا بھی کہ دوسری والی گڑیا

لے لیں جو بہت خوب صورت تھی، لیکن آپی نہ مانیں۔ کہنے لگیں اس گڑیا کی بہت دفعہ شادی ہو چکی ہے۔ خیر جناب ہم چپ رہے پھر ہم نے گڈے کو لیا اور آپی کو گڑیا دی، کیوں کہ جب گڑیا کی رخصتی ہوتی ہے تو ہم سے رویا نہیں جاتا۔ ہم نے شریفے کے پتے پیسے (کیوں کہ مہندی کا پیڑ کٹ گیا تھا) پھر اس کو پھولوں سے سجایا ٹرے میں رکھا اور بیچ میں موم بتّی رکھ دی اور ایک طرف مٹھائی کا ڈبا رکھ دیا (جس میں صرف ایک چیز تھی۔ اور اس طرح مہندی ٹرے میں سجا کے ممی پاپا کے کمرے میں چلے گئے (کیوں کہ وہ دلہن کا گھر تھا) اور دولہا کا گھر بھائی جان کا کمرا تھا۔ ہم نے اپنا کمرا اس لیے استعمال نہیں کیا کہ ہم دونوں کا کمرا ایک ہی ہے۔ خیر ہم مہندی لے کر گئے، وہاں دلہن کے مہندی لگائی پھر دلہن کی امی یعنی آپی نے ہمیں چپس کھلائے۔ چپس آپی نے بنائے تھے۔ چپس اچھی طرح تلے ہوئے نہیں تھے۔ ہمیں بھی کچّے لگے، اس لیے ہم نے چھوڑ دیے۔ (ورنہ ہم کہاں چھوڑنے والے تھے) پھر آپی کسی کام سے کمرے سے چلی گئیں۔ ہم کو بھوک لگ رہی تھی ہم جو مٹھائی لائے تھے وہی کھانے لگے اور ہمیں خیال بھی نہیں رہا کہ ہم دلہن والوں کے یہاں کھا رہے ہیں۔ اتنے میں آپی آ گئیں اور ہمارا خوب مذاق اُڑایا۔ ہم شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ پھر ہم واپس آ گئے اور دولھا کو بیڈ پر بٹھایا۔ لڑکے کی ساس (یعنی آپی) کے لیے کھانے کی چیزیں تیار کیں۔ خربوزہ کاٹا۔ اور دو کیلے اور ایک چھوٹا خربوزہ رکھ دیے کے

لیے) رکھ دیا۔

پھر جب آپی آئیں تو وہی پڑے اُٹھا لائیں۔ جس میں ہم نے مہندی اور مٹھائی کا ڈبا رکھا تھا۔ ہم چُپ ہی رہے کہ خواہ مخواہ میں جھگڑا ہو جائے گا۔ خیر پھر آپی آئیں دولھا کے مہندی لگائی اور ہم سے کہنے لگیں کہ کچھ کھلاؤں گی نہیں؟ ہم ان کے کہنے پر یہ چیزیں اُٹھا لائے۔ پھر جب خربوزہ ختم ہو گیا تو دوسرا خربوزہ اور کیلے اُٹھا کے کہنے لگیں کہ اچھا آپ نے یہ چیزیں اپنی بہو کے لیے رکھی ہیں اور جانے لگیں۔ ہم نے جھٹ ان کے ہاتھ سے کیلے اور خربوزہ لیا اور کہا کہ ہم نے یہ صرف دکھاوے کے لیے رکھی ہیں، لیکن وہ نہ مانیں۔ ہم کہاں رُکنے والے تھے، زبردستی ان سے چیزیں چھیننے لگے۔ اسی بات پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ جب کیلے ہمارے ہاتھ لگے تو وہ کچومر بنے ہوئے تھے اور خربوزے کی حالت بہت خراب تھی۔ ہم چیزیں چھین کے فوراً امّی کے پاس چلے گئے۔ وہاں اپنا پھولا ہوا سانس درست کر رہے تھے کہ آپی آدھمکیں اور امی سے شکایت کرنے لگیں کہ اگر یہ اپنی بہو کو چیزیں بھجوا دیتیں تو سب اسی کو اچھا سمجھتے۔ اس بات پر ہم دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ پھر امی نے ہم دونوں کو ڈانٹا اور ان کے کہنے پر ہم دونوں نے صلح کر لی، کیوں کہ ابھی شادی بھی باقی تھی۔ پھر ہم نے شادی کے کارڈ یوں بنائے:

بہ تقریب شادی خانہ بربادی

ہماری زیتون بانو کی شادی فضل دین سے ہونا قرار پائی ہے۔ آپ کی شرکت ہمارے لیے باعثِ زحمت ہے۔ معاف کیجیے گا۔ رحمت ہے۔

آمد بارات : ۷ بجے

طعام : بالکل نہیں ہو گا۔

رخصتی : جب ہمارا دل چاہے گا۔

خیر جناب پورے گھر والوں کو کارڈ بانٹ دیے، پھر ہم اپنے گڈّے کے لیے سہرا تیار کرنے لگے۔ پھر آپی نے دلہن کو غرارہ اور جمپر سرخ رنگ کا پہنایا اور بنارسی دوپٹا پہنا کر میک اپ کرنے لگیں۔ پھر ہم اپنے ٹیڈی بیئر اور بلّی کے ساتھ بارات لے کر گئے۔ پھر رسمیں وغیرہ ہونے کے بعد جب رخصتی ہونے لگی تو بجائے دلہن کو نصیحتیں کرنے کے اس سے کہنے لگیں کہ اپنی ساس کو خوب پیٹنا، ان کا کہنا نہ ماننا وغیرہ۔ پھر ہم اپنے گھر آگئے۔ ہمارے بھائی صاحب شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن ہم نے ان سے زبردستی دو رُپے منھ دکھائی لی، پھر امّی نے بھی دو رُپے دیے۔ بھائی جان سے کہا تو انھوں نے کہا کہ مجھے کارڈ نہیں ملا۔ (حالانکہ وہ گھر میں ہی دیر سے آئے تھے) باجی نے کہا کہ جب ہم شادی میں شریک ہی نہیں ہوئے تو ہم پیسے بھی نہیں دیں گے۔ پاپا نے دولھا اور دلہن دونوں کو ۲۵-۲۵ رُپے دیے۔ یوں پاپا کی مداخلت کی وجہ سے یہ شادی بغیر کسی بڑے جھگڑے کے انجام پائی جو یقیناً پیسوں کی تقسیم پر ہوتا۔

****

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۱۹۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہوجائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے ایک کتاب جو آپ کو پسند ہوگی بھیج دیں گے:۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابو علی کا جوتا، از عبدالحمید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارۂ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام تمام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھاسکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کرکے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

نومبر ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کرکے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ____________________

یہ کوپن دسمبر تک چھپے گا، لیکن آپ کو جو کتاب منگوانی ہے اس کا نام ایک کارڈ پر لکھ کر ابھی بھیج دیجیے تاکہ ہم کتابیں تیار کرالیں۔

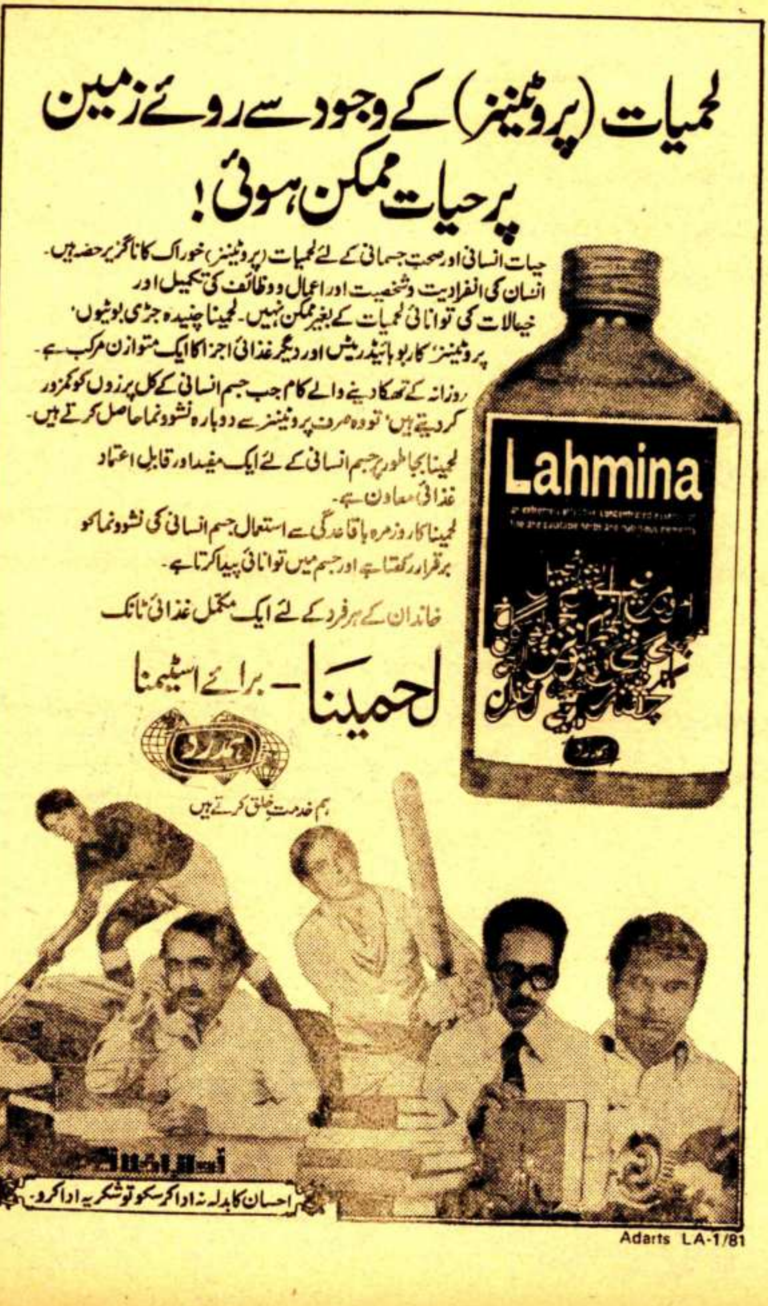
لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین
پر حیات ممکن ہوئی!
حیات انسانی اور صحت جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت و شخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔
روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔
لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابل اعتماد غذائی معاون ہے۔
لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔
خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک
لحمینا — برائے اسٹیمنا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
Lahmina
احسان کا بدلہ نہ ادا کر سکو تو شکریہ ادا کرو۔
Adarts LA-1/81

اِس شمارے کے مشکل الفاظ

بے نیازی (ف): بے نِیازِی : بے پروائی، خود مختاری، خود سری۔

فراست : (ع): فِ رَ ا سَت : عقل، دانائی۔

مستحق : (ع): مُس تَ حِق : حق رکھنے والا، دعوے دار، لائق۔

نزع : (ع): نَزْ عَ : جان کنی، جان کھنچنا، آخری سانس۔

آسرا : (ھ): آ سر ا : سہارا، اُمید، آس، بھروسا۔

تاثیر : (ع): تا ثِی ر : خاصیت، اثر دینا، اثر قبول کرنا۔

شمشیر : (ف): شَم شِی ر : شیر کا ناخن، تلوار۔

منشور : (ع): مَن شُو ر : تتر بتر، بکھرا ہوا، فرمان شاہی، اعلان۔

تبلیغ : (ع): تَب لِی غ : پھیلانا، خدا کا حکم پہنچانا۔

معمار : (ع): مِع مَا ر : تعمیر کرنے والا، مستری۔

تانتا : (ھ): تان تا : قطار، سلسلہ۔

مع : (ع): مَع : ساتھ، ہمراہ۔

حقارت : (ع): حِقَا رَ ت : خِفّت، سُبکی، ذلّت۔

نیارا : (ھ): نِ یا ر ا : جُدا، مختلف۔

بسیرا : (ھ): بَ سے ر ا : رات بسر کرنے کا ٹھکانا۔

ترغیب : (ع): تَر غِی ب : رغبت دلانا، کسی کام پر آمادہ کرنا۔

مائل : (ع): مَا ئِل : متوجہ، راغب۔

دانست : (ف): دا نِس ت : واقفیت، رائے، سمجھ۔

دھاک : (ھ): دَھا ک : رعب داب، خوف، دھوم۔

بھید : (ھ): بھے د : راز، دل کی بات، سراغ۔

مُضر : (ع): مُضِرّ : ضرر پہنچانے والا، غیر مفید۔

قناعت : (ع): قَنَا عَت : تھوڑے پر راضی ہونا، حرص سے بچنا۔

داروغہ : (ت): دَا رُو غَہ : محافظ، نگراں، کوتوال۔

نواحی : (ع): نَ وا حِی : اطراف، جوانب، مضافات۔

ضبط : (ع): ضَب ط : نگہبانی، حفاظت، تحمل، برداشت۔

تبادلہ : (ع): تَبَا دُ لَہ : بدل (باہم ایک دوسرے کی تبدیلی ہونا)

روایت : (ع): رِ وَ ا یَت : کسی کی بات نقل کرنا، سرگزشت۔

مشتمل : (ع): مُش تَ مِل : شامل، شریک۔

دارومدار : (ف): دَا رو مَدَا ر : خاطر مدارت، انحصار، ٹھیراؤ۔

نوعیت : (ع): نَو عِ یَت : نوع ہونا، قسم کی حالت۔

بزمِ نونہال

* خاص نمبر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات، کہانیاں، لطیفے اور تحفے تعریف کے لائق تھے۔
عاطف نسیم، راول پنڈی

* جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، رسول پاکؐ کی گھر والوں سے محبت، حضرت علیؓ نے فرمایا، مسکراتی تحریریں، ورزش ضروری ہے اور دادا ابا کی کتاب بہت اچھی تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید نے بچپن کی باتیں میں سبق آموز باتیں لکھی تھیں۔
خالد کریم، پسنی مکران بلوچستان

* ہمدرد نونہال کا خاص شمارہ یوں لگا جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔
خانزادہ ارشاد احمد، نوشہرہ فیروز

* نونہال سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یہ میرے علم میں بہت اضافہ کرتا ہے۔ میرے ہی نہیں بلکہ ہر طالبِ علم کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔
عائشہ خان، ٹنڈو آدم

* تازہ شمارہ بہت پسند آیا۔
شہاب علی، جہلم

* خاص نمبر کے ساتھ جو دل چسپ معلومات کی کتاب تھی اس میں ایک سوال سمجھ میں نہیں آیا، لکھا تھا: "اولمپک کھیلوں کی ابتدا حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً آٹھ سو سال قبل ہوئی تھی۔" جب کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے: "اولمپک کھیل ۱۸۹۶ء میں شروع ہوگئے۔"
سید وجاہت علی، کراچی

> یہ غلط نہیں ہے۔ اولمپک کھیلوں کی ابتدا حضرت عیسیٰ سے ۸ سو سال پہلے ہی بیان کی جاتی ہے اور جدید اولمپک کھیل ۱۸۹۶ء میں شروع ہوئے۔

* عربی کے دس سبق اس رسالے کی جان تھے۔ کہانیاں تمام کی تمام نئی اور اچھی تھیں۔
غزالہ شاہین، فیصل آباد

* خاص نمبر پسند آیا۔ رسالے کی جان جاگو جگاؤ اور پہلی بات تھی۔ خاص نمبر میں خاص نمبر کے بارے میں مضمون "خاص نمبر" (از جمیل صدیقی) بھی پسند آیا۔
محمد ابراہیم معصوم، روہڑی

* کم از کم ایک صفحہ لڑکیوں کے لیے رکھا جائے جس میں گھریلو مفید باتیں بتائی گئی ہوں۔ شہدائے نشانِ حیدر کے زندگی کے حالات، اُن کی بچپن کی تصاویر یا ان کے خطوط اور ڈائری کے اوراق شائع کیے جائیں۔ سلسلے وار اور مزے دار دل چسپ ناول بھی ضرور شائع کریں۔ قرآنی آیات یا احادیث مبارک کی عربی نہ لکھیں صرف ترجمہ لکھیں، کیوں کہ بعض اوقات ان کی بے ادبی ہوجاتی ہے۔
فریحہ ریاض، کراچی

* ہم نے آپ کا خاص شمارہ پڑھا۔ اس میں بہت اچھی کہانیاں آئی ہیں اور خاص طور پر ایک کہانی یا تین کہانیاں بہت اچھی کہانی ہے۔
شبانہ تبسم، حیدر آباد

* رسالہ بہت اچھا تھا اور اچھی اچھی تحریروں سے مزین تھا۔ لیکن پھر بھی تشنگی سی رہی کیوں کہ ۸۴ء کا خاص نمبر زبردست تھا جبکہ یہ صرف اچھا تھا۔ ویسے پسند آیا۔ سرورق پسند نہیں آیا۔ نونہال ادیب میں ڈاکٹر عبدالسلام والے مضمون میں ایک غلطی کی گئی ہے براہِ کرم تصحیح فرمائیں۔ لکھا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں عبدالسلام نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر لکھا ہے کہ ۱۹۴۲ء میں عبدالسلام نے ایف اے میں ۸۵ فی صد نمبر لے کر صوبے بھر میں اول آنے کے ساتھ ساتھ نیا رکارڈ بھی قائم کیا۔
جمیلہ رانی، شہداد پور

> ہاں یہ کتابت کی غلطی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ۱۹۴۰ء میں میٹرک، ۱۹۴۲ء میں ایف اے اور ۱۹۴۴ء میں بی اے پاس کیا تھا۔

* عربی زبان کے دس سبق بہترین تھے۔ "دادا ابا کی کتاب" پڑھ کر تو بہت مزہ آیا۔ غرض اس مرتبہ نونہال نے اپنے پچھلے تمام رکارڈ توڑ دیے۔
راشدہ منصور، نواب شاہ

* خاص نمبر کی بہت سی کہانیاں پسند آئیں۔ زیادہ تر "ایک کہانی یا تین کہانیاں" بہت پسند آئیں۔
محمد منیر ثاقب، کراچی

٭ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، بچپن کی یادیں، اقوالِ حکیم جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات اور دادا ابا کی کتاب، خبریں اور تصویریں، سدا بہار قصے، کون یقین کرے گا؟، جناب عبدالواحد سندھی کا رسولِ پاک ﷺ کی گھر والوں سے محبت، جناب الیاس احمد مجیبی کا حضرت یوسفؑ، محترمہ خالدہ ناز کا حضرت علی نے فرمایا، مشہور مزاح نگاروں کی مسکراتی تحریریں، محترمہ رشیدہ بیگم کا شیخ سعدی کی حکیمانہ باتیں اور مولانا عبدالسلام قدوائی کا عربی زبان کے دس سبق خاص نمبر کے آکاش پر ستاروں کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔

ثروت افروز خان، حیدر آباد

٭ ہر چیز بڑے خوب صورت انداز میں پیش کی گئی ہے۔ خاص کر عربی کے دس سبق بڑے ہی سبق آموز اور دل چسپ تھے۔ جیسا آپ نے کہا تھا کر دکھایا، لیکن ایک غلطی ضرور ہے۔ نونہال ادیب میں خالد محمود قریشی، کراچی کا مضمون "قائدِ اعظم ــــ چند تاریخیں"، میں لکھا ہے کہ قائدِ اعظم کے والد کا نام جینا پونجا تھا۔ لیکن میرے علم کے مطابق اُن کا نام جناح پونجا تھا۔

محمد امجد محسن، بہاول پور

اصل میں تو "جینا پونجا" تھا، لیکن بعد میں انھوں نے بدل کر "جناح پونجاہ" کر لیا تھا۔

٭ نونہال ایک ایسا درخشاں ستارہ ہے جس کی روشن شعاعوں سے ہر عمر کے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نونہال کو ہمارے علاوہ ہمارے ابو امی بڑے بھائی بہن سب پسند کرتے ہیں۔

عامر شاہد، کراچی

٭ معلوماتی مضامین میں ڈاکٹر سید سلیم کی تحریر "ورزش ضروری ہے" علی ناصر زیدی کی تحریر "ایٹم اور ایٹمی توانائی"، بہت ہی اچھے مضامین تھے۔ تحفے میں اچھی تحریریں تھیں۔ شیخ سعدی کی حکیمانہ باتیں پسند آئیں۔ کون یقین کرے گا پڑھ کر مزہ آگیا۔

محمد عمران شاہین، حمیرا شاہین، مظفر گڑھ

٭ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں اس کو ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ میں نے اس مضمون سے پہلے بھی کچھ مضامین ارسال کیے ہیں لیکن آپ نے شائع نہیں کیے۔ ایم تقی، جیوانی مکران

٭ نونہال واحد رسالہ ہے جو بچوں کے لیے اس قدر خلوص سے سوچتا ہے اور عربی کے دس سبق کا جو تحفہ آپ نے ہمیں دیا ہے مشکل ہے کہ اس کی نظیر لائی جا سکے گی۔ اکثر الفاظ نونہال میں قدرے مختلف طریقے سے لکھے ہوتے ہیں مثلاً چنانچہ کو آپ چناں چہ اور یونیورسٹی کو یونی ورسٹی لکھتے ہیں۔ برائے مہربانی اس کی وضاحت فرما دیجیے گا۔ تبسم شہزاد، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہم لفظوں کو الگ الگ کر کے لکھتے ہیں تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو اور صحیح پڑھے جائیں۔

٭ سب سے پہلے عید کا تحفہ یعنی "دل چسپ کتاب" بہت پسند آئی۔ ہر ایک کہانی ایک دوسرے سے بڑھ کر تھی، خاص کر "ایک کہانی با تین کہانیاں" (علی اسد) اور قصہ حضرت یوسف علیہ السلام بے حد پسند آئیں۔ عالیہ سرور قاضی، جامشورو کالونی

٭ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح ایک نئی اور اچھی بات بتائی۔ ہر اشتہار اور خاص نمبر پر بسم اللہ تحریر ہوتی ہے مگر آپ کے کالم میں نہیں۔ خیال کے پھول خوش بُو سے ہم کنار تھے۔ تمام نظمیں اچھی تھیں۔ وسیم صادق، کراچی

رسالے کا پہلا مضمون جاگو جگاؤ ہوتا ہے اس لیے اس پر بسم اللہ کافی ہے۔

٭ اب کا خاص نمبر واقعی خاص نمبر تھا۔ ہمارے محلے میں ہر بچّے کے پاس خاص نمبر تھا۔ شکیل، طارق، خالد، کراچی

٭ خاص نمبر پڑھا عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ روح افزا کتاب بہت ہی دل چسپ تھی۔ صالحہ اظہار، کراچی

٭ چمکتا دمکتا جھل مل جھل مل کرتا خاص نمبر ایک عجوبہ تھا۔ تمام بک اسٹالوں اور مارکیٹوں سے جلد ہی غائب ہو گیا۔ کیا برکاتی صاحب میں آپ سے ملاقات کر سکتا ہوں؟ محمد ارشد خان، کراچی

ضرور ملاقات کریں۔

٭ خاص نمبر سب گھر والوں کو پسند آیا۔

شہناز فاطمہ نقوی، کراچی

٭ خاص نمبر پُر لطف تھا۔ ساری کہانیاں اور لطائف دل پسند تھے۔ ماریہ نور الدین، کراچی

* خاص نمبر میں جناب منیر طاہر صاحب کا مضمون "میرے شہید، میرے غازی"، پڑھ کر وطن سے الفت کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ یوں تو تمام خاص نمبر بے حد اچھا تھا مگر مجھے اس کا سب سے اچھا مضمون میرے شہید میرے غازی لگا۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی سائنسی کہانی "دادا ابا کی کتاب" سے ایسا محسوس ہوا کہ جس تیزی سے دنیا ترقی کر رہی ہے شاید آیندہ دس سالوں میں ایسا ہی ہو گا کہ تعلیم مشینی ٹیچر سے حاصل ہوا کرے گی۔ شائستہ وجاہت، کراچی

> اس مضمون کا مرکزی خیال جناب عاصموف کی ایک انگریزی کہانی سے لے کر میں نے اس کو اپنے مشرقی جذبات کے ساتھ اردو میں لکھا تھا۔

* آپ کے خاص نمبر نے تو عید کا مزہ ہی دوبالا کر دیا۔ خاص نمبر کی ہر تحریر، ہر لفظ، ہر نقطہ کتنی اہمیت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس رسالے سے لگاؤ رکھنے والے ہر شخص ہی کو معلوم ہو گا۔

سید نہال اظہر علی کرمانی، کراچی

* لفظ عندلیب کا ترجمہ بتا دیں۔ کتاب جاگو جگاؤ کی قیمت بتلا دیں۔ ایاز احمد، ملتان

> عندلیب کے معنی بُلبل ہیں۔ جاگو جگاؤ کتاب کی قیمت ۵ روپے ہے۔

* جی چاہتا ہے اس جیسا خاص نمبر ہر روز نہ سہی ہر مہینے ملا کرے۔ تاکہ ہم اپنے پڑھنے کے شوق کو مٹا سکیں۔ اگست کے شمارے میں میرا نام میم۔ مٹھو کے بجائے سلیم مٹھو چھپا ہے۔

میم۔ مٹھو قریشی، بہاول پور

* خاص نمبر میں جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا، کیوں کہ اس میں بچوں کے لیے نصیحت ہوتی ہے ان کے لیے مشعلِ راہ بنتی ہے۔ اگر میں سوالوں کے جواب حل کر کے اپنی تصویر کے ساتھ روانہ کروں تو چھپے گی یا نہیں؟ خان شیر پٹھان، حیدر آباد

> اگر جوابات صحیح ہوں گے تو تصویر شائع ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

* خاص نمبر پڑھنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ آپ نے اس پر بہت محنت کی ہے اور آپ واقعی مبارک باد کے حق دار ہیں۔

حافظ عبدالرشید بلوچ، بنوں سٹی

* جاگو جگاؤ ہمدرد نونہال کی جان ہے۔ کیا "دو مسافر دو ملک" اور "ناول نیل کے بچے"، کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں؟ ڈاک کے ذریعے سے خطوط کے جوابات کون صاحب دیتے ہیں؟

اعجاز احمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خان

> دو مسافر دو ملک چھپ رہی ہے۔ نیل کے بچے شائع نہیں ہو گی۔ خطوں کے جواب بھی مدیر اعلا ہی دیتا ہے۔

* جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اُترتا ہوا محسوس ہوا۔ حکیم صاحب کا طرزِ تحریر اور اسلوب بیان بڑا متاثر کُن، بچوں کے لیے موزوں اور ان کے دلوں میں جلد گھر کرنے والا ہے۔ دوسری تحریروں میں رسولِ پاکؐ کی گھر والوں سے محبت، "ضمیر کی آواز (میرزا ادیب) بچپن کی یادیں (جناب حکیم محمد سعید) دادا ابا کی کتاب (مسعود احمد برکاتی) اور ایک کہانی یا تین کہانیاں (علی اسد) بہت دل چسپ سبق آموز اور بہترین کہانیاں تھیں۔ عربی کے دس سبق بہت عام فہم اور بچوں کی ذہنی سطح کو سمجھتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ سائنسی مضامین بہت مفید اور گراں قدر معلوماتی مضامین تھے۔ مختصر تحریر "خاص نمبر" (جمیل صدیقی) ایک دل چسپ اور منفرد تحریر تھی۔ غرض اس بار سالنامہ کیا تھا گویا دل چسپ کہانیاں، عجیب معلومات، مزاحیہ تحریروں اور ہر قسم کی دل چسپیوں اور رعنائیوں کا حسین امتزاج اور ایک عمدہ رنگین گل دستہ تھا۔ فضل ربی راہی، منگورہ سوات

* خاص نمبر ایک بیش بہا تحفہ ہے جو بچوں کے لیے جنّت سے کم نہیں۔ خاص نمبر نکالنے میں آپ جس محنت اور لگن سے کام لیتے ہیں اس کا جواب نہیں۔ یوں تو بچوں کے تمام رسائل خاص نمبر نکالتے رہتے ہیں مگر ان میں ہمدرد نونہال کا خاص نمبر اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ عبدالوحید شیخ، حیدر آباد

* مجھے تقریباً ایک سال نونہال پڑھتے ہوئے گزر چکا ہے، لیکن کسی میں میری تحریر شائع نہیں ہوئی۔ اعجاز احمد صدیقی، لیاقت آباد

* نونہال ہمارے سب گھر والے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ مزے دار لطیفے، جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول تو بہت ہی پسند آتے ہیں۔

قسمت گل، ضلع کوہاٹ

* خاص نمبر کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ محمد عرفان، سکھر

* ماشاءاللہ خاص نمبر اوّل درجے کا خاص نمبر رہا۔ ان شاءاللہ میں دو تین ماہ کے بعد کراچی آؤں گا اور نونہال کے دفتر میں بھی جاؤں گا اور ردّی کی ٹوکری چھپا کر آجاؤں گا۔

سجاد احمد بلوچ، ڈیرہ غازی خان

سجاد میاں! کراچی آؤ تو دفتر ضرور آؤ اور ردّی کی ٹوکری تلاش کر دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اب دیکھو نا اس خط کے لیے ٹوکری نہیں ملی۔

* خاص نمبر مہکتے ہوئے خوش رنگ گل دستے کی طرح تھا جس کا پہلا اور نمایاں پھول جاگو جگاؤ تھا۔ اس کے بعد مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات اس کے بعد خیال کے پھول بھی بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں ایک کہانی یا تین کہانیاں جناب علی اسد صاحب کی بے حد پسند آئی۔

اعجاز احمد، ٹنڈو محمد خان

* آپ نے ایک بچّوں کے رسالے میں عربی کے دس اسباق بھی شامل کر دیے۔ اگر آپ نونہال میں کورس کی کتابوں کی طرح کے اسباق شائع کرنے شروع کر دیں گے تو پھر یہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھے گا۔ ایک کہانی یا تین کہانیاں اور بلّی کی سواری تو بڑی طویل تھی، مگر اس کے ساتھ ہی یہ مزے دار بھی بالکل نہیں تھیں۔ رسالے میں کچھ معیاری چیزیں بھی شامل تھیں مثلاً قرآنی قصّہ، حامد کے دادا جان، لیک لاکھ رُپے کا ڈھیر، لطائف، بچپن کی یادیں وغیرہ ہیں۔ ان چیزوں نے ہمیں متاثر بھی کیا ہے۔

مونا عروج بٹ، لاہور

* خاص طور پر مسکراتی تحریریں، حکیم محمد سعید صاحب کی بچپن کی یادیں، بلّی کی سواری اور ایک کہانی یا تین کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ میری طرف سے جناب معراج اور جناب علی اسد کو مبارک باد پہنچا دیجیے گا۔

وحید مصطفٰے جمانی، سکھر

میاں، خط ذرا گہری روشنائی سے اور صاف لکھا کرو۔

* پہ نہیں آپ میری کوئی تحریر کیوں نہیں شائع کرتے؟

محمد منیر

خوب محنت کرو۔ کوئی اچھی تحریر لکھو گے تو ضرور شائع ہوگی۔

* اگر آپ نے ہماری یہ تحریر بھی نہ چھاپی تو ہم آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔

خالد محمود، ایبٹ آباد

* ستمبر کے پیارے نونہال میں طاہرہ علی نے جو اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے ہم تمام نونہال ان کے اچھے خیالات کی تائید کرتے ہیں۔ اس بار آپ نے خاص نمبر میں بلا عنوان کہانی شائع نہ کر کے ہمارے دل توڑ دیے ہیں، ویسے خاص نمبر کی قیمت کم کر کے ہمارے دل خوش کر دیے ہیں۔

پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

* میں حکیم محمد سعید صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اتنا اچھا خاص نمبر نکالا۔ عربی کے دس سبق، روح افزا کتاب اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

شاہد مصطفٰے شیخ، شکار پور

* آپ کے رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری طرف سے لکھنے والوں کو مبارک باد۔ میں کتاب "دو مسافر دو ملک" منگوانا چاہتا ہوں۔ اس کی قیمت بھی بتا دیں۔

شبیر حسین صدیقی، شکار پور

"دو مسافر دو ملک" ابھی شائع نہیں ہوتی۔

* خاص نمبر کا سرورق اچھا نہیں تھا جب کہ معلوماتی کتاب کا سرورق شوخ رنگوں میں تھا۔ اس مرتبہ نونہال ادیبوں کی تحریروں کو بہت ہی کم جگہ دی گئی۔ کہانیاں اچھی تھیں، لیکن کہانیاں اتنی تعداد میں نہیں ہونی چاہییں۔ کہانیوں کی جگہ معلوماتی مضامین شائع کیے جائیں۔ لطیفے پسند آئے۔ عربی زبان کے دس سبق بہت پسند آئے۔ اس مرتبہ مسعود احمد برکاتی صاحب نے تو اپنی تحریروں کو خوب چمکایا اور اچھی تھیں۔

جاوید حکیم کھوکھر، ٹنڈو الہ یار

* خاص نمبر پڑھا بہت پسند آیا۔ صفحہ ۶ پر پاکستان اسٹیل کے اشتہار پر آلحَمدُ للہ اس طرح لکھا گیا ہے حالانکہ اَلحَمدُ لِلّٰہ اس طرح لکھا جاتا ہے۔ عربی کے دس سبق واقعی بہت آسان سبق ہیں۔

شکیل احمد، جمرود

* میں نونہال ہر ماہ پڑھتا ہوں بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔ لیکن اس بار خاص نمبر نے تمام رسالوں کو مات کر دیا۔

محمد ایاز ہاشمی، کراچی

* خاص نمبر پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیوں میں شیر خان، حامد کے دادا جان، ضمیر کی آواز، رسول پاکؐ کی گھر والوں سے محبّت بہت پسند آئیں۔

سعیدہ خان، ٹنڈو آدم

* خاص نمبر بڑا ہی پسند آیا۔ بچّوں کے سارے رسالوں میں نونہال ہمارا پسندیدہ رسالہ ہے۔

حور بانو، کراچی

* خاص نمبر کا سرورق گتے کا ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر سید اسلم کا مضمون بہت مفید تھا، وہ ہر ماہ لکھیں تو بہت اچھا ہے۔ برکاتی صاحب ایک مہینے میں تین تحریریں لکھنے کے بجائے ہر ماہ ایک تحریر لکھا کریں۔ دادا ابا کی کتاب انگریزی کہانی سے ماخوذ ہے۔ ۱۶ جوابوں کے انعام میں قاعدۂ صحت کے بجائے کوئی بڑی کتاب بھیجیں۔

احمد افضال، کراچی

* نونہال بہت اچھا رسالہ ہے۔ خاص نمبر پڑھا سب کہانیاں اچھی تھیں۔ غلام ربانی، مقام نامعلوم

* کہانیوں میں شیر خان، ایک کہانی تین کہانیاں بہت پسند آئیں۔ لطیفے اور نظمیں بھی اچھی تھیں۔ شبانہ مجید، فیصل آباد

* میں نونہال کی روشنی کو پھیلانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے ہر دوست سے نونہال ہی پڑھنے کے لیے کہتا ہوں۔ یہ رسالہ اچھا ہے اور اس میں اچھی کہانیاں شائع ہوتی ہیں۔

سجاد احمد بلوچ، جام پور

* آپ جتنی جگہ میں بزم نونہال والوں کے نام لکھتے ہیں اتنی جگہ میں آپ خط ہی شائع کردیں نام کے لیے تو صرف آدھا یا ایک کاغذ مرتب کریں۔ آصف اقبال، حیدرآباد

اتنی جگہ میں خط تو چند آئیں گے اور نام سیکڑوں رہ جائیں گے۔

* بہت متاثر کن اور لاجواب رسالہ ہے۔

محمد شاہ نواز رحیم، حیدرآباد

* ہم لڑکیوں کے لیے آپ نے بہت اچھی اچھی گھریلو باتوں کے صفحے بھی رکھے۔ میں آپ کی بے حد ممنون ہوں۔ عربی کے دس سبق دے کر آپ نے بہت اچھا کیا۔ اس سے نہ صرف ہمیں آسانی ہوگئی ہے بلکہ ہمیں صحیح تلفظ بھی پڑھنا آگیا ہے۔

راحت صلاح الدین، کراچی

* خاص نمبر اتنا متاثر نہ کرسکا جتنا اسے کرنا چاہیے تھا۔

عبدالوحید شیخ، لاڑکانہ

* میں ہر ماہ کا نونہال باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔

فقیر محمد سلیم میمن، نوشہرہ فیروز

* ہمیں سب سے اچھی کہانی علی اسد صاحب کی لگی۔ دوسری کہانیوں میں میرزا ادیب، مسعود احمد برکاتی اور معراج صاحب کی کہانیاں پسند آئیں۔ سب سے کم عمر جاسوس (مناظر صدیقی) بہترین کہانی تھی۔ ڈاکٹر سہیل برکاتی کا مضمون بہت ہی معلوماتی اور دل چسپ تھا۔ ڈاکٹر سید اسلم کا مضمون بہت اچھا تھا۔ تمام نظمیں ایک سے ایک بڑھ کے تھیں۔ دختاج دریا خاں، کراچی

* خاص نمبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ کہانیاں لکھی جائیں۔ مگر یہاں تو حال ہی کچھ اور ہے۔ خاص نمبر میں عربی سکھانے کے دس سبق، سائنسی معلومات، کھیلوں کی معلومات وغیرہ اتنی ٹھونس کر بھری گئی ہیں کہ عام نونہال بالکل ہی نہیں سمجھ پاتے۔ آپ نے کہانیاں بھی بچّوں کے معیار سے بہت اوپر رکھی ہیں۔ حفیظ الدین شیخ، سکھر

* فیصل آباد والوں کے ساتھ تو آپ سوتیلی ماں والا سلوک کرتے ہیں اور کراچی والے تو جیسے آپ کی جان ہیں۔

عرشیہ زیدی، فیصل آباد

* تمام نظموں اور کہانیوں نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔

عامر محمود بیگ، کراچی

* دوسری بہت سی مفید اور دل چسپ تحریروں کے علاوہ جناب مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم کے عربی کے دس سبق خاص نمبر کا ایک خاص حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی مولانا جیسے نایاب لوگوں کی طرح نایاب ہوگئی تھی۔ انسان نایاب ہوسکتے ہیں، لیکن کتاب نایاب نہیں ہوسکتی۔ ایک ہی کتاب سے نسلیں فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ اس کتابِ عظیم کو دوبارہ روشناس کرانے کا سہرا ہمدرد نونہال کے سر ہے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ "عظیم چیزوں کو عظیم لوگ ہی یاد رکھتے ہیں۔ محمد عامر خاں، شاہ پور چاکر

* خاص نمبر اپنی جگہ خود ایک شان دار تحفہ تھا۔ سائنس کا طالبِ علم ہونے کے ناطے "ایٹم اور ایٹمی توانائی" بڑا سلجھا ہوا مضمون نظر آیا۔ سائنسی مضامین میں ڈاکٹر سہیل برکاتی صاحب کا مضمون "نوالہ در نوالہ" بھی بے حد پسند آیا۔

سید فیصل فہد محی الدین، کراچی

* خاص نمبر انتہائی دل کش تھا۔ خاص طور پر "چور پکڑو"، (مسعود احمد برکاتی) خبریں اور تصویریں، بلّی کی سواری (معراج) نظم ہوا کی شکایت (عنبر چغتائی) بہت پسند آئیں۔

راجہ شہزاد علی، کراچی

* تمام نظموں کا معیار عمدہ تھا۔ سرفہرست جناب قمر ہاشمی کی "ہم نونہال" رہی۔ مضامین میں "حضرت یوسفؑ، رسول پاکؐ کی گھر والوں سے محبّت، حضرت علیؓ نے فرمایا، میرے شہید میرے غازی" پسند آئے۔ معلوماتی مضامین میں "ورزش ضروری ہے،" ایٹم اور ایٹمی توانائی، گھریلو چٹکلے اور نوالہ در نوالہ عمدہ رہے۔

جناب ساجد علی ساجد کے مضمون نے خاصی معلومات بخشی۔ کہانیوں میں سرفہرست برکاتی صاحب کی تینوں کہانیاں رہیں۔ شیر خان میں آپ نے جس طرح ایک دقیق مسئلے کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرا وہ قابلِ تعریف ہے۔ سید عبدالعزیز عزمی، کراچی

* نونہال بوڑھوں، نوجوانوں اور بچّوں کا بے حد پسندیدہ رسالہ ہے۔ جو ننھے نونہالوں کے ننھے اور نرم و نازک اور تازہ ذہن کو ایک معلوماتی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے انمول راستے پر چلاتا ہے۔

راحت سرور انجم، میانوالی

جگہ کی کمی کے باعث ان نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ عظمیٰ انیس، ثمینہ اسماعیل، سید ذیشان ظہیر، افضل غلام عباس، غلام حسین، عارف صدیق راجپوت، محمد امتیاز، ابراہیم امتیاز، سید کاظم رضا رضوی، زہرا محمد یونس، امین محمد یونس، محمد فیصل یونس، محمد عارف یوسف، طلعت خان، زرین شاہد، شاہدہ پروین، شازیہ اقبال، شاہ جمیل احمد، رئیس احمد قدیر، محمد جاوید عبدالغفور، راشد چراغ، ظفر علی پٹھان، حسنین شیخ، نسیم الدین، رئیسہ پروین، عبدالنادر انصاری، طاہر علی، جاوید اقبال معیز، ثوبیہ اظہر، مسعود احمد، محمد رفیق احمد سومرو، ہما سعید، محمد شعیب رضا، جاوید خلیل، محمد علی سید، طاہرہ علی، تاج محمد، حفصہ خانم، سہیل بشیر، جنید منظور، روبینہ فرید، محمد اجمل خان، اقبال سلیم، محمد ارشد خان، ملک نعیم احمد اعوان، عتیق الرحمٰن، سید مبشر احمد قادری، داد محمد بہادر، پرنم جان، مراد خان محسود، سید عمار یاسر زیدی، سید اسلم خان، محمد علیم شیخ، نور محمد خان، صوفیہ احسان، نصرت بانو، خورشید شاہ خان نیزانی، طاہرہ مبین، فرحت تسنیم، محمد خالد رانا، یاسمین اختر، نوشاد، نصرت اختر، فرخندہ جبیں، شوکت علی، ابرار فاطمہ رضوی، محبوب حسین، سہیل احمد قریشی، محمد رفیق، جاوید اختر انصاری، افشاں تبسم، سیما اسماعیل، شہزاد اسماعیل، راشدہ علی محمد، فریدہ بانو، وسیم سہیل، مرزا نعمان شاہ، سلیم احمد خان، خالد محمود قریشی۔
مقام نامعلوم:۔ شکیل احمد، سید محمد رضا، رخسانہ غلام حسین، عمران علی، کنول سعید، فیضان سہیل، فاروق الدین، شائستہ کریم۔

لاہور:۔ محمد نوید مرزا۔ ملتان:۔ بلال توصیف، غلام حسین۔ ٹنڈو جام:۔ غلام مصطفےٰ تبسم سموں، غلام مرتضیٰ سموں، شہناز پروین سموں، اصغر صغیر راجپوت۔ سرائے سدھو:۔ محمد اجمل نعیم۔ فیصل آباد:۔ فوزیہ رشید شیخ، نینا شیخ، مقبول احمد، ثاقب مجید شیخ، نعمان تنویر۔ لاڑکانہ:۔ ریحانہ سجاد، عبدالواحد شیخ۔ حیدر آباد:۔ منگتاز باگڑی، زر افشاں فاخر، کاشف راجپوت، سلمیٰ، محبوب حسین شاہ قاسمی، گوچرن جیت، محمد عرفان، عرفان مقبول، حسن علی کھتری، سلمان گل خان خٹک۔ راولپنڈی:۔ عدنان احمد، شبنم شفیق، احتشام الحق، سرفراز درانی۔ ٹنڈو آدم:۔ راجا محمد یونس راجپوت۔ جہلم: طارق نعیم، خالد نسیم، شگفتہ افشاں۔ اسلام آباد:۔ محمد عمران صدیقی، عائشہ ارم۔ خیرپور میرس:۔ نور محمد۔ میرپور خاص: سیدہ مبشرہ، ندیم الرحمٰن، نعیم الرحمٰن، شبانہ خان۔ چمن: سیف اللہ۔ نواب:۔ رضوان حسن۔ ٹھٹھہ:۔ راجا شنکر شہزاد۔ خیرپور میرس: طاہر ڈسکو، منور خان، نور محمد، محمد اکرم۔ میاں چنوں:۔ فاروق ندیم۔ سکھر:۔ اشتیاق احمد مغل۔ اسلام آباد:۔ سید طاہر حسین۔ ڈیرہ اسماعیل خان:۔ اعجاز احمد۔ لاہور:۔ انیسہ سردار اعوان۔ میانوالی:۔ محمد رمضان۔ رورہڑی:۔ عبدالسمیع ربو۔ فیصل آباد:۔ بشریٰ مجید بھٹی:۔ ناصر وقار بلوچ۔ شاہ پور چاکر:۔ عبدالخالق میمن۔ بلڈائی، اعجاز احمد۔ رحیم یار خان:۔ شکیل احمد۔ ٹنڈو الہ یار:۔ محمد ارشد ملک۔

انعامی سوالات

صحیح جوابات اور انعام پانے والوں کے نام

خاص نمبر (ستمبر ۸۵ء) میں بیس سوالات کے صحیح جوابات پر ایک ہزار رُپے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ صحیح جوابات اور انعام پانے والے نونہالوں کے نام نیچے لکھے جارہے ہیں۔ جن نونہالوں نے ۱۶ تا ۲۰ سوالات کے صحیح جوابات لکھے ہیں، ان کے نام بھی شامل کیے جارہے ہیں

صحیح جوابات یہ ہیں

۱۔ کسوف کی نماز سورج گرہن کے موقع پر اور خسوف کی نماز چاند گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

۲۔ حجاج بن یوسف نے جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں عراق کے گورنر تھے، قرآن شریف میں زیر زبر پیش (اعراب) لگوائے تھے۔

۳۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ مغربی پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی تھے۔

۴۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ سندھ کے وزیرِ اعلا جناب محمد ایوب کھوڑو بنائے گئے تھے۔

۵۔ پاکستان کے مشہور و مقبول کھلاڑی عمران خان کو رچرڈ ہیڈلی نے آؤٹ کرکے اپنی سوویں وکٹ حاصل کی تھی۔

۶۔ مشہور مُکّے باز محمد علی چوتھی بار عالمی چیمپئن بننے میں ۳۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ناکام ہوتے تھے۔

۷۔ بجلی کی چمک پہلے سنائی دیتی ہے، کیوں کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت زیادہ ہے۔ (روشنی کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے اور آواز کی رفتار ۱۱ سو فیٹ فی سیکنڈ ہے)

۸۔ ملکۂ وکٹوریہ اگرچہ ۱۸۵۸ء میں ملکۂ ہند بن چکی تھیں، لیکن انھوں نے ملکۂ ہند (یا قیصرۂ ہند) کا خطاب ۱۸۷۷ء میں اختیار کیا تھا۔

۹۔ انگریزوں نے بنگال کو ۱۹۰۵ء میں تقسیم کیا پھر اس تقسیم کو ۱۹۱۱ء میں منسوخ کر دیا۔

۱۰۔ براعظم ایشیا کے وہ تین ممالک جن کے کچھ حصّے دوسرے براعظموں میں ہیں، یہ ہیں (الف) روس (ب) ترکی (ج) انڈونیشیا۔ (الف) روس کا ایک حصّہ ایشیا میں ہے اور ایک حصّہ یورپ میں۔ (ب) ترکی کا ایک حصّہ یورپ میں ہے اور ایک حصّہ ایشیا میں۔ (ج) انڈونیشیا کا ایک جزیرہ "نیوگنی" براعظم اوسٹریلیا میں شمار ہوتا ہے۔

۱۱۔ مسلم لیگ کے ممتاز رہنما اور قائدِ اعظم کے ساتھی جناب سید حسین امام کا انتقال کراچی میں ۱۶۔ جنوری ۱۹۸۵ء کو ہوا تھا۔

۱۲۔ سمندری معدنیات میں سے نمک (سوڈیم کلورائڈ) سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ "جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے"۔ اس کا پہلا مصرع یہ ہے:

"باغ باں نے آگ دی جب آشیانے کو میرے"

۱۴۔ "شیش محل" نام کی کتاب شوکت تھانوی نے لکھی تھی۔ اس میں انھوں نے ادیب دوستوں کے بڑے دل چسپ خاکے لکھے ہیں۔

۱۵۔ ان مشہور ادیبوں اور شاعروں کے اصل نام یہ ہیں :

(الف) ماہر القادری، منظور حسین (ب) پروفیسر انجم اعظمی، مشتاق احمد (ج) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سید دلدار علی۔ (د) صہبا لکھنوی، سید شرافت علی (ہ) میرزا ادیب، دلاور علی (د) رئیس امروہوی، سید محمد مہدی (ز) رضا ہمدانی، مرزا رضا حسین۔

۱۶۔ مصر، سوڈان، یمن، فلسطین اور وسطی شام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت خلیفۂ وقت کی طرف سے ۱۱۷۵ء (مطابق ۵۷۰ھ) میں باقاعدہ تسلیم کی گئی تھی۔

۱۷۔ لفظ لاوا (LAVA) انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی میں اطالوی زبان اور لاطینی زبان سے آیا ہے۔

۱۸۔ مشہور صوفی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام "شاجو رسالو" کا اردو ترجمہ مشہور شاعر جناب شیخ ایاز نے کیا ہے۔

۱۹۔ صنعا یمن عرب جمہوریہ (شمالی یمن) کا دارالحکومت ہے۔

۲۰۔ ریڈیو پاکستان کا مونوگرام مشہور مصوّر جناب عبدالرحمٰن چغتائی نے بنایا تھا۔

پورے ۲۰ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

حسبِ ذیل نونہالوں نے پورے ۲۰ سوالات کے جوابات صحیح لکھے ہیں۔ ہم ان نونہالوں کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔ ۵۵ نونہال انعام کے مستحق ہوئے۔ ہم نے انعام کی رقم ایک ہزار رُپے سے بڑھا کر گیارہ سو رُپے کر دی ہے تاکہ ہر نونہال کو بیس رُپے انعام مل سکے۔ احتیاط کے طور پر یہ نونہال اپنے اپنے پتے (ایک کارڈ پر) دوبارہ صاف لکھ کر بھیج دیں، تاکہ انعام کی رقم حفاظت سے اُن کو مل جائے۔

کراچی

محمد لیئق وارثی
عبدالباسط
سید فرقان مجیب
ہما مجیب
محمد مدثر الرحمٰن
محمد علی
چمن زیب عباسی
سید فیصل احمد بخاری
اسلام الدین انصاری
سیدہ انیلا نرجس جعفری
امجد علی فرحان

پرویز عباسی
شیخ محمد سلمان
محمد اکرم قریشی
مناف حبیب تبسم
سید عارف زاہدی
ارشد اقبال
نور بی بی
ظفر جمال رضوی
صائمہ فضل
عظمیٰ فضل
فراز الرحمٰن
فائزہ فضل

سید اختر علی
محمد شاہد اقبال صدیقی
آسیہ خاتون
وصی حیدر عابد
نعمان الدین فرخ
نور جہاں
مرزا رحیم الدین بیگ
رضی الدین
سلمان مظہر
علیم بھنڈاری
سید مسعود حسن
سید منیر احمد حقانی

سید عامر علی
محمد نعمان ایم عثمان
قاضی شکیل احمد
سید فراز اطہر کرمانی
سلیم انور عباسی
سید اعزاز شکیل کرمانی
سید نہال اظہر علی کرمانی

سانگھڑ

فرید احمد قریشی
پرنس علی محمد منصوری
ندیم احمد آرائیں
محمد جعفر، تھر پارکر

لیّہ

عمر فاروق قیصر

حیدر آباد

علی عمران
شاہدہ کرن
شیخ عبدالحامد کرمانی
ہما نواب علی
محمد اقبال
عبدالوحید شیخ
محمد سلیم خان

تھر پارکر

محمد اشرف آزاد

۱۶ سے ۱۹ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی	شگفتہ جبین شاہ	کاشف جاوید بٹ	سہیل احمد صدیقی	سید نسیم الحق
محمد سلمان احمد خان	محمد ہاشم منصوری	سیدہ شفق فاطمہ	شاہد اقبال شاہد	سید یوسف مصطفٰے النقوی
محمد احمد خان	فرحت اعجاز	سید کامران رضا رضوی	عظمٰی اقبال	نبیلہ قاضی
ندرین عثمانی	منیر احمد	سہیل محبوب	محمد مشتاق خانانی	احمد افضال
محمد یوسف بیگ	شہناز فاطمہ نقوی	شمریزہ گل زماں	اقبال احمد	راشد بن عزیز قریشی
روبینہ نور الدین	خالدہ شفیع	مشتاق حسین چاند	خالد اقبال	سید محمد احمد قادری
محمد فرقان محمد اعجاز	محمد جاوید نقوی	محمد خالد سعید	مجیب ظفر انوار	کاشف رؤف
فرح ناہید	مرزا امتیاز احمد	کلثوم محمد	شگفتہ ناز انصاری	سید نائلہ رشید بخاری
فائزہ جبین شاہ	شازیہ آفاق	محمد نایاب	سید عاصم اعجاز بخاری	فصیح احمد
حمیرا فلکناز مریم	فرح عزیز	اشتیاق حسین خان	محمد وقار اعظم	صالح الزماں
عاطف الرحمٰن	عتیق الرحمٰن ملک	عائشہ شفق	ظہیر عباس	محمد عابد علی خاں
شائستہ اعجاز	محمد قاسم گاڈت	افشاں سلطانہ	محمد عمران	سید محمد فرحان رضوی
شاہدہ پروین	عبدالعظیم انصاری	عمران خاں	مہناز فاطمہ	عمران فضل احمد خاں
محمد عمران عبدالستار	سید فیصل علی سبزواری	نوید احمد	عبدالحفیظ	محمد سہیل احمد
عالیہ حیدر زیدی	محمد زاہد ثناء اللہ	نثار عالم قدیر	رزاق احمد	ضیاء الدین منہاس
ثمینہ شیخ	شہیر احمد شیخ	احمر خاں	خالد نور خاں	محمد اختر الدین صدیقی
محمد اعظم منصوری	ملک زاہد حسین	سید مظہر عالم شاہ	محمود الحق فاروقی	حیدر علی بلوچ
حافظ شہباز احمد قادری	سید آفاق احمد	محمد اسد حسن	صبا عروج انصاری	حبیب الرحمٰن
احمد دین محمد دین	اجمل خلیل	محمد ارشد ثنا اللہ	عفیفہ ارم	سید شاہ محمد عبداللہ
سید مقصود الحق	زہرہ محمد یونس	سید رفعت علی	احمر جاوید	ارشاد حسین
عبدالرشید صدیقی	محمد اجمل ایم افضل	عائشہ حسینی	سید آصف بخاری	محمد ضیاء اللہ
کامران حفیظ علوی	عبداللطیف	افشاں تبسم	فرزانہ احمد	صبور جمیل
محمد یوسف اے کریم	مصطفٰے وہاب	سید عبدالمجید	محمد ذیشان شفیق	انعام الٰہی محمود
لیق احمد	معظم عزیز صدیقی	نقیب احمد وزیر	رضیہ سراج	رفعت پروین جبار
فرحین رحمٰن	رئیس احمد قدیر	شاہد حسین قادری	محمد شہاب الدین	متین حمزہ
مسعود احمد	سید ندیم شوکت	عائشہ غزل	سید معین الدین چشتی	محمد اکرم قریشی
سلیم فراز	ایم فاروق ساگر	ثروت افضال	ابرار ظفر	محمد جاوید رؤف

سید رمانہ جمال	محمد عامر صدیقی	نگہت ضیا	محمد ذیشان ایوب	محمد صادق
نداعروج انصاری	محمد عرفان	سلیمان غنی	عتیق احمد رفیق	شرجیل احمد ایاز
عظمیٰ خاتون	سعید حسین رضوی	نازیہ رمضان	غلام محمد	سید فرید احمد
مرزا محمد اعظم	انیس الدین	ریحان غنی	ظفر احمد عثمانی	سید امیر الحسن
افتخار نور خاں	عمران احمد	سید گوہر مہدی	احمد شریف	اظہر جاوید
محمد مشتاق احمد خانانی	عالیہ حفیظ	سید عامر رضا رضوی	شہزاد عارف	شہزاد اظہر اقبال
محمد علی زماں	محمد عمر احمد خان	محمد عاقل احمد خان	مریم فاطمہ فاروقی	محمد عبید قریشی
محمد اویس انصاری	نوید ظفر انوار	عظمیٰ حفیظ	خالد تقی	سید آصف رشید
کریم بخش خالد	سید محمد جعفر	ایم جابر شاہ	محبوب الٰہی محمود	اعجاز علی
انوار الحسن انصاری	ناہید عباس	نزہت خلیل	سید تصور حسین شاہ بخاری	خالد رفعت عالم حنفی
محمد انوار کمال	مرزا طاہر	محمد محبوب الرحمٰن	صغرا بانو	سید آصف مصطفےٰ نقوی
عبدالحنیف	محمد سعید احمد خان	ریاض اللہ خان	کاشف حفیظ	انیس گل واسطی
ثمینہ شفیع	محمد رضوان	ندیم عارف خواجہ	ازہر محمود عالم	شبانہ عرفان
فاروق بیگ	عنبر محمود راجا	تنویر پروین	عدنان خان	محمد حمزہ مقبول
فہیم الدین	محمد وقاص	محمد فاروق خانانی	اقبال نور خان	سید اشفاق احمد
روشن زکریا کھتری	محمد عامر جنید	روبینہ نور الدین	احمد اسمٰعیل خانانی	حلیمہ کوثر
صہیب عمر	سیدہ شگفتہ بانو	سید معیز الدین	عمران بٹ	منیزہ جبیں
شگفتہ رضوی	محمد عارف اقبال انصاری	محمد طارق قریشی	ثمینہ محمد صدیق	محمد عدنان صدیقی
سید محمد ریحان رضوی	امین الدین	نسیم الزماں	ثمرہ نعیم	ہاشم علی خان قادری
محمد جواد جمال الدین	محمد مدثر خان	سید نور الدین کلیم	علی رضا خان	طیب شاہ
صفدر اقبال	اسد اللہ	رضوان الحق فاروقی	سید محمد شاکر عثمانی	نعیم جان محمد
محمد اکمل	حمیرا گوہر	وقار قمر	شگفتہ ناز	جاوید حنیف
فیصل مشتاق	اشہر سعید عالم عثمانی	شوکت الاسلام	محمد منظور حسین	اشرف علی آگریا
عزیز الرحمٰن	عبدالرافع انصاری	ابرار ظفر	محمد عمران خان	سید شاہ عابد حسین
انوار الحق سومرو	سیدہ رخشندہ بانو نقوی	امجد خلیل	سید ثاقب رضا جعفری	احتشام یار خان
سید سعد اختر	ایس شاہد اختر	سیما ہاشم	معیز الدین قریشی	شگفتہ جبیں
شائستہ رضوی	عمرانہ بانو	محمد عابد علی خان	وسیم انوار ہاشمی	سید سلیم احمد شاہ
دسوخ عالم	ایم ندیم خان زئی	سید مبشر احمد قادری	ہما معنیم	انوار الحق
محمد جاوید طفیل احمد	حسن علی حسن	سید عبدالمجید	جنید احمد	سجاد حسین ملک
نصرت دردانہ	سمیع اللہ خان	عتیق الرحمٰن خان	محمد زبیر ندیم	جاوید حسین

رضوان جلیس
محمد اطہر شمیم خواجہ
شکیل احمد
رحمان جمیل
فرحان فاروق
سیدہ صفوت سلطانہ
اسحاق احمد شیخ
ریاض الدین نوری
سید عقیل آغا
سید رافع حسن
نوید حفیظ لودھی
عارف وہاب
رفعت سجاد
حسنہ بانو
سید اکرام الدین
تمثیلہ صبا
سید محمد فرید
اجمل عزیز
حسن محسن
توقیر احمد صدیقی
غزالہ حنیف
پروین حنیف
خالد حنیف
شگفتہ امان
احمد فراز
ناز اختر

راول پنڈی

نگہت رسول
تنویر الحسن مغل
سید حسنات گیلانی

سید تنویر مجتبیٰ کاظمی
راشدہ سحر
جواد حسن

جام شورو

محمد حارث ہاشم
مہران دریشانی
طارق وسیم احمد
ندیم احمد قاضی

لاہور

محمد اکرام شہزاد
شاہد رفیق
محمد ایوب منظر

ٹنڈو آدم

محمد اشرف عبدالرحمٰن
شکیلا تبسم
محمد یونس پنساری
راجا طاہر لطیف
معین الدین

سیال کوٹ

نادر شاہین
اشہد شاہین
درشہوار شاہین
نبیل شاہین
عنبرین شاہین

ملتان

مہزاد سحر
سہیل عمر چوہدری
مسعود سرور گوندل
مرزا محمد اجمل بیگ
مرزا احسن بیگ

محمد محسن انصاری
محمد افضل احمد
پرنس غلام مرتضیٰ غوری
محمد اسحاق اسمٰعیل
لطیف علی ظفر
محمد انور سعید
عبدالقیوم ایم اشرف
عامر عمر چوہدری
وقار احمد چیمہ
مرزا اسد بیگ

حیدر آباد

عائشہ عزیز خان
محمد یاسین قریشی
ریحانہ مرزا صغیر بیگ
سلمیٰ خاتون
نوید حکیم خان کھوکھر
نوید احمد خان
صبا ناز
فاروق عمر خان قائم خانی
صوبیہ بیگ
ثاقب احمد قاضی
بابر رحمٰن مہرانی
سید حسنین علی زیدی
محمد غلام حسین میمن
غالب رحمٰن مہرانی
عبدالعلیم عادل
پرویز اقبال
محمد ندیم یوسف
سید عبدالصمد
سہیل اختر خان

محمد اعظم خان زادہ
عظمیٰ فاطمہ
شان الحق ندیم الحق
خاور جعفری
محمد زاہد حبیب قریشی
فخر رفیق صدیقی
محمد اکبر خان زادہ
محمد سعید اختر
ظفر رفیق صدیقی
سلیم احمد خانزادہ
جبران دانش
سلمان شیخ اے صمد
انور علی عبدالمجید
محمد شعیب انصاری
عبدالعلیم سومرو
آفتاب عالم قریشی
ثروت جہاں
محمد وسیم شیخ
محمد پرویز عبدالمجید
محمد وصی الدین قریشی
محمد ارشد مقارب خان
رضیہ سومرو
محمد شفیق خان زادہ

سانگھڑ

پیر نور النبی جان سرہندی
غلام رسول پارس
مبارک علی خان شیخ
شہزادہ ملک فقیر محمد سدوزی
ریاض الدین منصوری
علاء الدین منصوری

محمد طاہر آرائیں
محمد یامین مغل
محمد امین سیف الملوک

سکھر

محمد فرحان اسحٰق آرائیں
محمد عامر صدیقی
وحید مصطفےٰ اجمانی
محمد رضوان اسحٰق آرائیں
ثمرین ہما
حسن جنید آرائیں
زاہد علی محمد بھاٹی
محمد عرفان نعیم
محمد وسیم میمن
راشد خان
محمد اقبال میمن
محمد جاوید ستار
شفقت الحسن انصاری
ارشد وحید
عظمیٰ شیخ
ضمیر حسین میمن
ناصر خان
محمد یونس خاصلانی

خیر پور میرس

سید کمال ناصر ترمذی
محمد نعیم خوشی محمد
پرویز احمد شیخ
نزہت فاطمہ
ظفر اللہ شیخ
سلمان گل خان خٹک
جمیل زیدی ذکر

ریحان مجید
الطاف اللہ شیخ
خلیل احمد شیخ
قدیر محمد صدیقی

نواب شاہ

سید زبیر حسین زیدی
محسن رجب علی
محمود علی شیخ
مسلم فاروقی
ظفر علی سہیل
محمد عدنان شیخ

ٹنڈو جام

محمد ارشد آزاد
ندیم اشرف
ریحان منظور
طارق ابرار
رخسانہ غفور

اسلام آباد

خالد بن نیاز
منصور اسلم جنجوعہ
عمران علوی
شفا یوسف
عالیہ انجم

تھرپارکر

محمد اسحٰق انجم
محی الدین ریاض الدین

فیصل آباد

محمد شہزاد بھٹی
رئیس احمد رئیس
سعدیہ رؤف

لاڑکانہ

غزالہ منیر شیخ غزل
شہزاد یعقوب
محمد تنویر عالم شیخ
خالد اللہ شیخ

جھنگ

پرنس ارشد حبیب
محمد اسلم حبیب
نسرین اقبال آرائیں

خانیوال

مظہر حسین چشتی
ایم صابر قمر

سامارو

عبدالمناف قائم خانی
اقبال عابد
عبدالمنیم قائم خانی

ٹنڈو الہ یار

محمد اقبال قائم خانی
غازی محمد مبشر کھوکھر
محمد شہزاد علیانہ
محمد ذاکر قریشی

کمالیہ

آصف اقبال
عاشق حسین شہزاد
آنسہ راحت مسعود

بہاول پور

سید طلحہ احسن
فوزیہ تبسم اعوان
محمد الیاس سلطان

ساہی وال

سرمد حمید
اظفر ضیا

جہلم

عبدالشکور احمد غزل رادین
محمد رزاق محمد بشیر
محمد انعام اللہ فرہاد

شہداد پور

محمد رفیق شیخ قادری
امیر حسین دہاڑی

شکار پور

شبیر حسین صدیقی

ٹوبہ ٹیک سنگھ

محمد ندیم آصف

میر پور خاص

کامران احمد

گوجرانوالہ

ساجد منیر

سوڈی گوجرہ

محمد صدیق صابری

سنجھورو

زاہد حسین کھوکھر

دیپال پور

محمد احمد بھٹی

جھٹ پٹ

اعجاز علی لاشاری

ٹنڈو محمد خان

نجم السحر

خیر پور ناتھن شاہ

محمد رمضان فتح محمد

مردان

محمد رمضان عابد

سرگودھا

عامر آفتاب احمد

ساہن پال شریف

سید کوکب ظفر نوشاہی

ڈیرہ غازی خان

محمد قاسم

شکار پور

ایم فہیم شیخ

لیہ

محمد ظفر اللہ ضیا

کھوتہ قبر

شاہ نواز اختر

کھلابٹ

اختر جاوید اعوان

تھل

شبیر احمد داود پوتہ

پنڈ دادنخان

ایس اے شکیل اختر

سنجوال کینٹ

عابد شریف

میانوالی

راحیلہ اقبال نیازی

۱۶ سے ۱۹ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

زاہد حسین، کراچی	عظمیٰ قمر جاوید، کراچی	صبغت اللہ میمن، کراچی	جاوید احسن، کراچی	آصف اقبال آگریا، کراچی	سید سلیم الدین، کراچی

محمد جنید، کراچی
مظہر اقبال، کراچی
ایم طارق خان جدون، کراچی
سید نعمان نقوی، کراچی
محمد عباس ندیم، کراچی
محمد عظیم صدیقی، کراچی

محمد رضا خان، کراچی
سید عبدالمجید قادری، کراچی
سلیم احمد فاروقی، کراچی
محمد فیاض خانانی، کراچی
مرتضیٰ نثار، کراچی
عبدالرشید فاروقی، کراچی

شبیر زمان خان، کراچی
سید سعید جعفر عابدی، کراچی
محمد مشتاق احمد خانانی، کراچی
عمران الحق فاروقی، کراچی
محمد عابد، کراچی
سلمان احمد، کراچی

محمد قطب الدین احمد، کراچی
محمد شرف احمد، کراچی
آفتاب احمد میواتی، کراچی
عامر بٹ، کراچی
محمد حنیف، کراچی
ایم ذاکر حسین، کراچی

سید تنویر عامر، کراچی
محمد انیس سعید، کراچی
خرم شرافت، کراچی
حامد محمود صدیقی، کراچی
شرمین حمیرا صدیقی، کراچی
محمد عمران شرافت خان، کراچی

ابرار حسین ملک، کراچی
راشد اختر، کراچی
رانی درخشاں، کراچی
محمد عرفان ملک، کراچی
شیخ کامران آفاق، کراچی
عبداللہ جان، کراچی

محمد جاوید علی نقوی، کراچی
ہرداس گھارد، کراچی
محمد الیاس، کراچی
محمد طاہر خان، کراچی
رضوان علی، کراچی
ناصر مصطفیٰ، کراچی

روبینہ جلیل، کراچی
سرفراز اشفاق عالم، کراچی
عبدالرشید، کراچی
آفتاب احمد جنگیزی، کراچی
عمران اسلم، کراچی
احمد رضا خان، کراچی

سعید احمد، کراچی
سید عاطف اعجاز، کراچی
سید شہزاد اعجاز، کراچی
ذیشان عالم، کراچی
محبوب الٰہی، کراچی
چوہدری محمد اشرف، کراچی

سلیم احمد فتح، کراچی
محمد آصف عزیز صدیقی، کراچی
بشریٰ شمیم، کراچی
محمد آصف زکریا، کراچی
محمد حسین آگریا، کراچی
سید محمد احمر، کراچی

محمد مقصود سیلانی، کراچی
رتن لال دانوا، کراچی
آفاق حسن، کراچی
محمد فیصل محمد عمر، کراچی
شازیہ اقبال، کراچی
قلب سلیم، کراچی

سید نعیم اقبال احمد شمسی، کراچی
محمد محبوب اللہ، کراچی
فضل الرحمٰن، کراچی
سید محمد عمران سلیم، کراچی
ریحان تاج ملک، حیدرآباد
سید شہزاد رضا ترمذی، خیرپور

رضوان اللہ خان، سکھر

محمد اشرف خان، ٹنڈو آدم

پرنس ہاشم غوری، سانگھڑ

سید عدنان احمد، میرپور خاص

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

تقی الدین، ملتان

خالد محمود شہزاد، بھکر

لطیف حیدر خان منجھیلی، سانگھڑ

عرفان علی، سکھر

ادریس مبارک آرائیں، سکھر

تحسین یونس، تربیلہ ٹاؤن

ظفر اقبال شیخ، کھلابٹ ٹاؤن

احمد اویس ظفر، سکھر

غلام محمد اکبر، سکھر

فائق احمد ظفر، سکھر

حفیظ الرحمٰن خانزادہ، لطیف آباد

آصف اقبال، ٹنڈو جام

ممتاز احمد، کھلابٹ ٹاؤن

خالد جمیل، کراچی

سید محمد فیاض، کراچی

کیڈٹ عامر خان، سکھر

جن نونہالوں نے ۱۶ سے ۱۹ تک جوابات صحیح بھیجے ہیں ان کو ایک کتاب تحفے میں بھیجی جائے گی، جس پر محترم حکیم محمد سعید صاحب کے دستخط ہوں گے۔ ہم ان نونہالوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ جن نونہالوں کے ۱۶ سے کم جوابات صحیح ہو سکے، وہ بھی داد کے مستحق ہیں۔ انھوں نے جو محنت کی اور معلومات حاصل کیں وہ قابلِ تعریف ہے۔ ان کی محنت بے کار نہیں جائے گی اور یہ معلومات اُن کے ہمیشہ کام آئے گی۔ علم ہر حال میں فائدہ پہنچاتا ہے۔

اب ذرا کچھ مزےدار جوابات دل چسپی کے خیال سے دیکھیے اور لطف لیجیے۔ صحیح جوابات تو آپ نے پڑھ ہی لیے، اُن کو ذہن میں رکھیں گے تو ان جوابات کا زیادہ مزہ آئے گا۔ ایک نونہال نے سوال ۱۲ کے جواب میں لکھا ہے کہ سمندر میں سب سے زیادہ ریت ہوتی ہے۔ اور ایک نے تیل سب سے زیادہ بنایا ہے۔ ایک نونہال نے لکھا ہے کہ سید حسین امام نام کا کوئی مسلم لیگی رہنما نہیں ہوا۔ ایک نے لکھا ہے کہ عمران خان کو آج تک کسی نے آؤٹ نہیں کیا۔ ایک بات یہ کہ ادیبوں میں سے میرزا ادیب، ماہر القادری اور رئیس امروہوی کے اصل نام سب سے زیادہ نونہالوں نے صحیح لکھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ یہ حضرات بہت مقبول ہیں ـــــ اچھا اب آپ سب کو ایک بار پھر مبارک باد۔

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

نومبر ۱۹۸۵ء

ہمدرد نونہال

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

نزلہ، زکام اور کھانسی
سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سُعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتیے۔ بروقت سُعالین لیجیے

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں